کتاب ہے، اور آخر مین اس کا ترجمہ حل لغات اور تشریح ہے، تشریح مین جا بجا اس کے ادبی محاسن کی بھی وضاحت کی گئی ہے، یہ ترجمہ اور تشریح فارسی کے طلبہ کے لئے بہت مفید اور کارآمد ہے،

شیخ نیازی از جناب رشید احمد صاحب صدیقی تقطیع اوسط ضخامت ۱۲۸ صفحات، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت ؏ر، پتہ: سرسید بک ڈپو مسلم یونیورسٹی علی گڈہ،

یہ پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی کا پرانا اور نہایت دلچسپ افسانہ ہے جس مین شیخ نیازی کے بچپن کے واقعات کو بڑے دلکش پیرایہ مین لکھا گیا ہے جن لوگون کو شیخ نیازی سے تعارف حاصل ہے وہ اُن کی خصوصیات سے واقف ہونگے اس، فسانہ مین ان کی قلندرانہ شان معصومیت بھولے پن، عادات خصائل و مشاغل و مصروفیات بھائی بہنون سے صلح و جنگ، مرغوبات لباس و وضع قطع وغیرہ کو اپنے خاص انداز مین لکھا ہے، اور شیخ نیازی کے پردہ مین بچپن کی معصوم زندگی کی بڑی دلکش مصوری کی ہے، اس لئے یہ کتاب نہ صرف بچون بلکہ بوڑھون کے لئے بھی دلچسپ ہے، اس کے آخر مین دو اور مختصر افسانے ہین، اس کا پہلا اڈیشن کئی سال ہوئے شائع ہوا تھا، اب ترمیم و اضافہ کے بعد دوسرا اڈیشن شائع ہوا ہے، اس اڈیشن مین شیخ صاحب کی تصویر اور زیادہ دلچسپ ہوگئی ہے،

آسان ریاضی حصہ سوم مرتبہ جناب شوکت علی صاحب بی اے، ایل ٹی تقطیع اوسط ضخامت ۴۴ صفحات، کاغذ، کتابت وطباعت معمولی قیمت ۱۲ر پتہ: مکتبہ جماعت اسلامی ہند، ریاست رام پور،

جماعت اسلامی ہند نے مسلمان بچون کی تعلیم کے لئے مذہبی نصاب کے ساتھ تاریخ جغرافیہ اور ریاضی وغیرہ کا بھی پورا نصاب مرتب کیا ہے جس مین اسلامی رنگ پیدا کرنے کا ممکن حد تک لحاظ رکھا ہے، اگر ریاضی مین اس کی گنجایش بہت کم ہے تاہم مشق و مثالون مین جہان تک گنجایش نکل سکی ہے اس کتاب مین اس کا لحاظ رکھا گیا ہے،

"م"

جلد ۷۵ ماہ جمادی الثانی ۱۳۷۴ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۵۵ء عدد ۲

مضامین

شذرات

پنڈت کشن پرشاد کول کی وفات ایک بڑا ادبی اور تہذیبی سانحہ ہے، وہ اردو کے ممتاز ادیب، اس کے شیدائی اور ہماری پرانی تہذیب و شرافت کی ایک اہم یادگار تھے، ان میں خدمت کا جذبہ ابتداء سے تھا، چنانچہ آج سے تقریباً نصف صدی پیشتر اس زمانہ میں جبکہ ہر تعلیم یافتہ نوجوان سرکاری عہدوں کی جانب لپکتا تھا، انھوں نے دنیاوی دولت و وجاہت کے مقابلہ میں ملک و قوم کی خدمت کو ترجیح دی، اور سرونٹ آف انڈیا سوسائٹی کے ممبر ہوگئے، جو اس زمانہ میں سادگی اور قناعت کے ساتھ قومی خدمت کی تربیت گاہ تھی، اور ساری عمر ایک وضع میں گذار دی، وہ لکھنؤ کے پرانے کانگریسی لیڈر بابو گنگا پرشاد ورما کے سیاسی شاگرد اور انکے شریک کار تھے، انکے بعد انکے اخبار ہندوستانی کو سنبھالا اور کئی سال تک اسکو چلاتے رہے، اس کے بعد پنڈت چکبست کے ساتھ مشہور رسالہ صبح امید نکالا، گنگا پرشاد میموریل لائبریری قائم ہونے کے بعد اس کے آنریری سکریٹری ہوگئے اور آخر عمر تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے،

وہ طبعاً سیاسی آدمی نہ تھے، انکا اصلی ذوق علمی و ادبی تھا، اس لیے ہنگامہ خیز سیاست سے دور رہے اور پوری زندگی علم و ادب کی خدمت میں بسر کی، اردو تہذیب اور اردو زبان سے ان کو عشق تھا، اس فرقہ پرستی کے دور میں جبکہ بڑے بڑے اردو نوازوں کے قدم ڈگمگا گئے، انھوں نے جس جرأت کیساتھ اردو کی حمایت، اس کا حق منوانے کیلیے عملی جد و جہد اور اردو علاقائی زبان کی تحریک کی رہنمائی کی وہ ان ہی کا حصہ ہے، اردو میں ان کے متعدد ناول، افسانے، خطبۂ صدارت اور ادبی و تنقیدی مضامین وغیرہ ان کی یادگار اور انکی ادبی و لسانی مہارت کا ثبوت ہیں، وہ لکھنؤ کے پرانے کشمیری برہمنوں کی طرح ہماری پرانی تہذیب شائستگی اور شرافت و وضعداری کا نمونہ اور بڑے مخلص، شریف الطبع، اور منکسر مزاج انسان تھے، انکی موت سے ہماری پرانی مشترکہ تہذیب کی ایک دلآویز یادگار مٹ گئی جس کے نمونے نئے ہندوستان میں پیدا ہونے کی امید نہیں، اس لیے ان کی موت ایک بڑا تہذیبی حادثہ بھی ہے،

ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب کی وائس چانسلری کے مبارک دور میں مسلم یونیورسٹی میں جو ترقیاں ہو رہی ہیں، ان میں ایک اسلامی علوم و فنون کی تحقیقات کیلیے ادارے کا قیام بھی ہے، اس قسم کے ادارے بہت سی غیر مسلم یونیورسٹیوں میں بھی ہیں، اسلیے محض اس کا قیام کوئی اہمیت نہیں رکھتا، اصل چیز اس کے مقصد اور نقطۂ نظر کی صحت ہے، اس قسم کے کام عموماً محققین کے نقطۂ نظر کے تابع ہوتے ہیں، اس لیے کبھی کبھی ایک ہی چیز کے متعلق محققین کے نتائج تحقیق مختلف بلکہ بعض اوقات متضاد ہوتے ہیں جس کے عجیب و غریب نمونے مستشرقین کی تحقیقات میں نظر آتے رہتے ہیں،

مسلم یونیورسٹی اسلامی تہذیب و ثقافت کی نمائندہ ہے، اس لیے اسلامیات کی تحقیقات میں اسکا نقطۂ نظر تاریخی تحقیق کیساتھ اسلامی بھی ہونا چاہیے اور اسلامی علوم و فنون اور اسلامی تاریخ و تہذیب کو انکی صحیح شکل میں اس طرح پیش کرنا چاہیے جس سے انکی عظمت نمایاں اور دنیا پر ان کے مذہبی، علمی اور تمدنی اثرات ظاہر ہو سکیں، اس بارہ میں ہمکو ہندو فضلاء سے سبق لینا چاہیے جن کا ہر فرد اپنے اپنے دائرہ میں دنیا پر ہندو مذہب، ہندو فلسفہ اور ہندو تہذیب کا سکہ بٹھانے میں لگا ہوا ہے، مسلمانوں کے پاس تو علوم و فنون کا پورا خزانہ اور انکے مذہبی علمی اور تمدنی کارناموں کی ایک شاندار تاریخ موجود ہے، اسلیے اگر یونیورسٹی کا یہ ادارہ اسلامی جذبہ سے اس کام کو انجام دے تو بڑی مفید خدمت انجام دے سکتا ہے، ہم کو امید ہے کہ یہ مقاصد خود اس کے کارکنوں کے پیش نظر ہوں گے

راقم الحروف اگرچہ بعض مجبوریوں کی بنا پر آل انڈیا دینی تعلیمی کنونشن بمبئی میں شرکت نہ کر سکا، مگر اخبارات کی اطلاع اور کنونشن کے شرکاء کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ کنونشن ہر حیثیت سے بہت کامیاب رہا، اور اسمیں ہر مکتب خیال کے مسلمانوں نے شرکت کی، اور انکا ایسا نمائندہ اجتماع مدتوں کے بعد ہوا جسمیں مختلف عقائد و خیالات کے مسلمان ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے، جو اصل مقصد کی کامیابی کیلیے فال نیک ہے، لائق صدر کا خطبۂ صدارت توقع کے مطابق صحیح اسلامی روح سے معمور تھا، کنونشن میں جو تجویزیں منظور ہوئی ہیں، وہ اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں، انکو عمل میں لانے کے لیے ماہرین تعلیم اور صاحب علم و فکر مسلمانوں کا ایک بورڈ بنا دیا گیا ہے، ہندوستان کی تقسیم کے بعد مسلمانوں نے یہ پہلا تعمیری قدم اٹھایا ہے، ان کے موجودہ مسائل میں ابتدائی مذہبی تعلیم کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے، اگر اسکو انھوں نے حل کر لیا تو یہ ان کا بڑا کارنامہ ہوگا،

ہندوستان اور پاکستان کے سکہ کے اختلاف اور پاکستان کی تجارتی پالیسی کا اثر ان دونوں ملکوں کے اردو کے علمی واشاعتی اداروں پر بہت زیادہ پڑا ہے جن میں دار المصنفین بھی شامل ہے، اسکی کتابوں کی تجارت اتنی گھٹ گئی ہے کہ اگر حکومت ہند ساٹھ ہزار سے اسکی مدد نہ کرتی تو اس کا چلنا دشوار ہو جاتا، اس سے وقتی طور پر اسکی حالت ضرور سنبھل گئی، مگر اس قسم کی عارضی امداد اسکی مشکلات کا مستقل حل نہیں ہے، اور جب تک اس کی تجارت اصلی حالت پر نہ آئے گی، اسوقت تک اس کو دشواریاں پیش آتی رہیں گی، ہندوستان کے مصنفین کی جماعت اور علمی واشاعتی اداروں نے اخبارات کے ذریعہ بارہا اسکی جانب توجہ دلائی، مگر اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا، پاکستان اپنے مصالح کے مطابق اپنی تجارتی پالیسی بنانے میں بالکل حق بجانب ہے، مگر عام تجارتی چیزوں میں علم و ادب کو بھی شامل کر لینا اور اس پر پابندی لگانا علم دوستی کے بھی خلاف ہے اور اس سے کوئی خاص فائدہ بھی نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ لاکھ دو لاکھ کتابیں ہندوستان سے پاکستان جاتی ہونگی، مگر کم و بیش اتنی ہی کی وہاں سے آتی ہوں گی، اور اگر انکی درآمد برآمد میں چند ہزار کا فرق بھی ہو تو اس حقیر رقم سے حکومت کے اقتصادیات پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، مگر اس سے کتنے اداروں کی زندگی ہو جائیگی، اسلیے کم سے کم کتابوں کو تجارتی پابندیوں سے آزاد رکھنا چاہیے،

یہ دونوں ملکوں کے اداروں کا معاملہ ہے، اس لیے ان کو خود باہمی صلاح و مشورہ سے اس کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرنا چاہیے، اس سلسلہ میں دار المصنفین کی جانب سے ہمارے رفیقِ کار سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب پاکستان میں دار المصنفین کی تجارت کی بقا اور اسکی توسیع کے ذرائع کی تلاش اور اس مسئلہ پر وہاں کے تاجروں سے گفتگو کرنے کیلئے عنقریب کراچی اور لاہور جانے والے ہیں، اگر ضرورت ہوئی تو دار المصنفین کا کوئی اور نمائندہ بھی بھیجا جائے گا، ہم کو امید ہے دار المصنفین کے تمام ہوا خواہ و ہمدرد اس کام میں صباح الدین صاحب کی پوری مدد کریں گے۔

یہ اعلان کیا جا چکا ہے کہ سلیمان نمبر کی طباعت شروع ہو گئی ہے، مگر اس کے متعلق استفسار کا سلسلہ برابر جاری ہے، اس لیے پھر اطلاع دیجاتی ہے کہ اس کی طباعت ہو رہی ہے مگر یہ نمبر چار ساڑھے چار سو صفحوں کی ضخامت کا ہوگا، اس لیے اس کی طباعت میں بھی کچھ وقت لگے گا، کوشش کیجا رہی ہے کہ مارچ کے آخر تک شائع ہو جائے،

مقالات

اسلام کا ذوقِ جمال

از

جناب قطب الدین احمد صاحب حیدر آباد دکن

اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ (الحدیث، مسلم)

اللہ نے حسن و خوبی کو ہر چیز پر واجب گردانا ہے

کائنات کے کسی گوشہ پر بھی نظر ڈالو، تمھیں حسن و جمال اور خوبی و کمال کے نگاہ پرور نظارے قلب و نظر کی تسکین کا سامان لئے ہوئے اپنی ساری رعنائیوں کے ساتھ جلوہ فرما نظر آئین گے، صبح کا چہرۂ خندان، شام کا جلوۂ محجوب، پہاڑوں کی بلندیان، وادیون کا نشیب، پھولون کی عطر بیزی، پرندون کی نغمہ ریزی، شفق کی لالہ گونی، قوس قزح کی بوقلمونی، فضائے نیلگون کی بزم انجم، مہر و ماہ کی نور افشانیان، لہلہاتے ہوئے سبزہ زار، اور پھل اور پھول سے لدے ہوئے گلزار، غرض کائنات کا گوشہ گوشہ جمالِ فطرت سے معمور نظر آئے گا، مگر مردمک دیدہ مین اتنی سمائی کہان کہ ان ساری تجلیون کو اپنی آغوش مین سمیٹ سکے،

دامانِ نگاہ تنگ، و گلِ حسنِ تو بسیار
گلچین بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

یا غالب کی زبان مین

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگان اٹھائیے
طاقت کہان کہ دید کا احسان اٹھائیے

موجودات کی ان تمام اشیا میں آخر یہ حُسن و دلربائی کہاں سے آگئی، اور دنیا کیون خوبرو ئی و نظر افروزی کی تماشا گاہ ہو؟ کیا وجود کے لئے حسن وجمال ناگزیر ہے؟ ان سب کا جواب صرف ایک ہے کہ اس پردہ کے پیچھے جو روح کارفرما ہے، وہ خود اپنی ذات سے حسین واقع ہوئی ہے، اس لئے اس سے جس چیز کا بھی صدور ہوتا ہے وہ حسن وجمال ہی ہوتا ہے،

ہرچہ آن خسرو کند شیرین بود

حضرت علیؓ کا ارشاد ہے، اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ لایصدر عنہ الا الجمال، ذاتِ الٰہی ہمہ حسن و لطافت ہے، اور اس سے جو کچھ بھی صادر ہوتا ہے، وہ خوبی و کمال ہی ہوتا ہے، کائنات ایک آئینہ کی مثال ہے جس کا ہر عکس پرتوِ جمالِ الٰہی ہے، یا اُس کی حیثیت ایک جسم کی سی ہے جس میں ذاتِ الٰہی روح کی طرح جاری و ساری ہے؛

حق جانِ جہان ست و جہان جملہ بدن — اصناف ملائکہ حواسِ این تن
افلاک و عناصر و موالید، اعضا — توحید ہمین ست و دگر حیلہ و فن

ایک حدیث قدسی میں جس کو حافظ سخاوی نے مقاصدِ حسنہ میں نقل کیا ہے، مذکور ہے کہ ذاتِ الٰہی کی مثال ایک پوشیدہ خزانہ کی سی تھی، جب اُس نے چاہا کہ خارج میں اس کی تجلّیات کا ظہور ہو، تو کائنات کی خلقت عمل میں آئی، تا کہ اس آئینہ میں اپنے جمالِ جہان آرا کا مشاہدہ کرے، کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ،

گہ در اندیشۂ خود، گاہ در آئینۂ ما — دیدہ بر صورتِ خود دوختہ حیران خودند

یہ وہ طور ہے جہاں منعِ دیدار کی گنجایش نہیں، ذرہ ذرہ جلووں سے معمور اور گوشہ گوشہ انوار و تجلّیات کی فراوانیوں سے بقعۂ نور بنا ہوا ہے، صرف حجاب ہو تو اپنی نظروں کا، اور قصور ہے تو اپنی فہم و ادراک کی نارسائیوں اور کوتاہیوں کا،

موسیٰ نہ دیدہ، ورنہ باکرام یک نگاہ — صد جلوہ کرد حسن، و حجابے ندید کس

ان تجلّیات کی کیفیت اہل اللہ سے پوچھو جنھیں حقائق کا عرفان حاصل تھا، حضرت بشیر حافیؒ کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ جب انھون نے والارض فرشنٰھا سنا، تو جوتا پیرون سے نکال پھینکا، اور برہنہ پائی اختیار فرمائی، لوگون نے وجہ پوچھی تو کہا کہ مہربان آقا نے جب ہم غلامون کے لئے یہ فرشِ زمردین بچھا دیا ہے، تو ہم کو زیب نہین دیتا کہ اس کو اپنے جوتون سے پامال کرین،

پایم بہ پیش از سر این کو نمی رود — یاران خبر دہید کہ این جلوہ گاہ کیست

قرآن مجید اور آیاتِ جمال

قرآن مجید نے اپنی متعدد آیات میں عالمِ انسانیت کو فطرت کے اس حسن وجمال کی طرف توجہ دلائی ہے :-

اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَھُمْ
کَیْفَ بَنَیْنٰھَا وَ زَیَّنّٰھَا وَ مَا لَھَا مِنْ
فُرُوْجٍ ٥ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰھَا وَاَلْقَیْنَا
فِیْھَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْھَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍ
بَھِیْجٍ ٥ تَبْصِرَۃً وَّ ذِکْرٰی لِکُلِّ عَبْدٍ
مُّنِیْبٍ ، (ق - ۱)

کیا کبھی ان لوگون نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا نہین کہ کس خوبی کے ساتھ ہم نے یہ فضا سجا دی اور اس کے ستارے بنائے ہین، اور کس طرح اُس کے منظر مین خوشنمائی پیدا کر دی ہے، اور پھر کس عمدگی کے ساتھ تمھارے سرون پر یہ شامیانہ تنا ہوا ہے کہ کہین بھی اس مین شگاف نہین، اور اسی طرح زمین کو دیکھو، کس طرح ہم نے اسے فرش کی طرح پھیلا دیا ہے، اور اس مین پہاڑون کے لنگر ڈالدیے، اور پھر کس طرح ہر قسم کی نباتات اُگا دی، ہر اس بندے کے لئے جو حق کی طرف رجوع کرنے والا ہے، اس مین بصیرت و عبرت ہے،

وہ آسمان کی اس خوش منظر فضا کا بار بار اعادہ کرتا ہے، اور ہر محل پر دعوتِ فکر و نظر دیتا ہی،

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ
زَیَّنّٰھَا لِلنّٰظِرِیْنَ،
(الحجر ۱۶)

اور دیکھو ہم نے آسمان مین ستارون کی گردش
کے لئے برج بنائے، اور اس طرح بنائے کہ
دیکھنے والون کے لئے ان مین خوشنمائی پیدا کر دی،

ایک دوسرے مقام پر اس طرح ارشاد ہے،

وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ
(الملک ۵)

اور دیکھو ہم نے سماے دنیا کو ستارون کی
قندیلون سے زینت بخش دی،

خوبی و کمال کے ان نمونون کو وہ صرف دیکھنے ہی کی دعوت نہین دیتا بلکہ ان پر غور و فکر کی تعلیم بھی دیتا ہی،

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ
فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ
ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ
اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ

تم رحمٰن کی بناوٹ مین کبھی کوئی اونچ نیچ نہ پاؤ گے،
اچھا نظر اٹھاؤ، اور اس تماشا گاہ صنعت کا
مطالعہ کرو) ایک بار نہین، بار بار دیکھو، کیا
تمھین کوئی دراڑ دکھائی دیتا ہے؟ تم
اس طرح یکے بعد دیگرے دیکھتے رہو، تمھاری
نگاہ واپس تھکے گی، اور عاجز و درماندہ ہوکر واپس
آجائے گی لیکن کوئی کسر نکال نہ سکے گی،

زمین پر اپنی قدرت کے عجائبات آفرینیون کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے،

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ
مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ

یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے، کہ اس نے آسمان
و زمین کو پیدا کیا، اور پھر زمین کی روئیدگی کا
ایسا انتظام کر دیا کہ) آسمان سے پانی برساتا ہے،

لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ج
وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ج وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ ج وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ
وَالنَّهَارَ ج وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا
سَاَلْتُمُوْهُ ط وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ
اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ط اِنَّ الْاِنْسَانَ
لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ
(ابراھیم - ۳۲ - ۳۴)

اور اس کی تاثیر سے طرح طرح کے پھل تمھاری
غذا کے لئے پیدا ہو جاتے ہین، اور اسی طرح
اس نے یہ بات ٹھہرا دی ہے کہ سمندر (کی
خوفناک موجون) مین جہاز تمھارے زیر فرمان
رہتے ہین، اور حکم الٰہی سے چلتے رہتے ہین، (
اسی طرح دریا تمھاری کار برآریون کے لئے
مسخر کر دیے گئے ہین، اور اپھر اتنا ہی نہین
بلکہ غور کرو تو) سورج اور چاند بھی تمھارے لئے
مسخر کر دیئے گئے ہین، اور رات اور دن
کا اختلاف بھی (تمھارے فائدہ ہی کے لئے)
مسخر ہے، غرض کہ تمھین جو کچھ مطلوب تھا
وہ سب اس (کے فضل و رحمت) نے عطا کیا
اور اگر تم اللہ کی نعمتین شمار کرنا چاہو، تو وہ
اتنی ہین کہ تم ہرگز شمار نہ کر سکو گے، بلاشبہہ
انسان بڑا ہی نا انصاف اور ناشکرا ہی،

ایک دوسرے مقام پر قدرت کی ان کارفرمائیون کا منظر اس وجد آفرین پیرایہ مین پیش کیا گیا ہی،

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا
وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِیْضٌ وَّحُمْرٌ

کیا اس بات پر نظر نہین کی کہ اللہ ہی
نے آسمان سے پانی برسایا، اور اس سے
مختلف رنگتون کے پھل پیدا کر دئے، اور

مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ،
(فاطر ۲،)

اسی طرح پہاڑ گوناگون رنگتون کے ہین، کچھ سفید کچھ سُرخ، اور کچھ کالے کلوٹے،

چون بہ خوبیِ گلستان نگرد
بوسہ بر دیدہ می زند نظرم

عالم حیوانات کی نفع رسانی اور خوشنمائی کو اس طرح پیش کیا گیا ہے،

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝،
(النحل - ۵)

اور دیکھو یہ اسی کی کارسازی ہے کہ طرح طرح کے چارپائے پیدا کردیئے جن مین تمھارے لئے بےشمار فوائد ہین، ازان جملہ یہ کہ اُن کی کھال اور اُن مین جاڑے کا سامان ہے! اور گوشت مین غذا کا، اور پھر دیکھو جب اُن کے غول شام کو چر کر واپس آتے ہین اور جب چرا گاہون کے لئے نکلتے ہین تو اُن کے منظر مین کیسی خوشنمائی اور رونق

ہے

کائنات کی ہر چیز مین ایک جاذبیت اور دلربائی رکھ دی گئی ہے، ایک رینگنے والے حقیر کیڑے سے لیکر انسان تک، اس کی ہر چیز قدرت کی کرشمہ سازیون اور حُسن آرائیون کی ایک نمایش گاہ ہے،

اَلَّذِیْ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ
(السجدہ ،،)

اُس نے جو چیز بنائی حسن و زیبائی کے ساتھ بنائی،

انسان جو زبدۂ موجودات اور خلاصۂ کائنات ہے، اس کی زیبارُخی، اور خوبروئی کی تعریف قرآن اس طرح پیش کرتا ہے،

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ

اس نے آسمان و زمین حکمت و مصلحت کے

صَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ ۝
(التغابن - ۳)

ساتھ پیدا کی، اور اُس نے تمھاری صورتین بنائین، تو کیسی حسین و پسندیدہ بنائین،

ایک دوسرے مقام پر اس کے کمال تناسب و اعتدال کا اظہار اس طرح پر کیا گیا ہے،

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ
(التین - ۴)

ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا،

احسنِ تقویم مین تقویم ٹھیک تعدیل کے معنون مین استعمال ہوا ہے، اس تعدیل خلقت مین حسنِ ظاہر کے ساتھ سیرت و اخلاق کے تمام اوصاف بھی شامل ہین، چنانچہ صحابہ و تابعین اور عام مفسرین نے اس سے حسنِ صورت و حسنِ سیرت، دونون ... معنی مراد لئے ہین، ایک حدیث مین انسان کی خلقت کا اس طرح بیان ہوا ہے، اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ بعض آثار مین علی صورۃ الرحمٰن بھی آیا ہے، یعنی اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا، یہان صورت کے معنی شکل کے نہین بلکہ حق تعالیٰ کی ذات کے مظہرِ اتم ہونے کے ہین، چونکہ ذات و صفات ایزدی کا کامل ظہور انسان ہی کی ذات و صفات سے ہوا ہے اس لئے اس کو تمام دیگر مخلوقات کے مقابلہ مین اللہ تعالیٰ نے گویا اپنی ہی صورت پر پیدا کیا ہے،

ما ز فلک برتریم، وز ملک افزون تریم
زین دو چرا نگذریم، منزلِ ما کبریاست

انسان بلحاظ حسنِ ظاہری اور بلحاظ حسنِ معنوی تمام مخلوقات مین سب پر فائق ہے، یہ اس ذات کا مظہر ہے جس کے اسمائے حُسنیٰ مین ایک صفتِ جمیل بھی ہے، جب تمام عالم اس کے جمالِ جہان آرا کی ایک ادنیٰ تجلی سے نگارخانۂ حُسن و زیبائی بنا ہوا ہے، تو جو ہستی اس کی خلقت کا شہکار ہو، اُس کے کمالِ حسن کا کیا ٹھکانا،

اسلامی تعلیمات کی حسن پسندی

جس طرح کائنات اپنے ہر پہلو میں حسین و جمیل واقع ہوئی ہے ، ایسے ہی اسلام جو دینِ فطرت ہے اپنی تمام باتوں میں حسن کار اور جمال آفرین واقع ہوا ہے عقائد عبادات ، اور معاملات کا کوئی جزئیہ ایسا نہیں جس میں بناؤ اور خوبی کا پہلو نمایاں نہ ہو ، مگر حسن و جمال آخر ہے کیا چیز ؟ جب اس کا تجزیہ کیا جائے ، تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تناسب و اعتدال اور موزونیت کا نام حسن و جمال ہے ، یہی اعتدال و تناسب بناؤ اور خوبی کے ساتھ مظاہر کی اصل ہے جب کسی انسان کے وجود میں یہ اپنا رنگ دکھلاتا ہے ، تو مہِ کنعان کی صورت میں افقِ حسن پر طلوع کرتا ہے جب حسنِ الفاظ کے ساتھ حسنِ معانی سے ہم آمیز ہوتا ہے ، تو قرآن و فرقان بن جاتا ہے ، اللہ نزل احسن الحدیث کتاباً (زمر ۲۳) اور جب کسی عمارت میں جلوہ گر ہوتا ہے ، تو تاج محل کی صورت اختیار کر لیتا ہے ، اسلامی تعلیمات پر اگر غور کیا جائے ، تو یہی تناسب و اعتدال ہر جگہ کار فرما نظر آئے گا ، کوئی چیز حدِ اعتدال سے بڑھی ہوئی دکھائی نہ دے گی ، موقع اور محل کے لحاظ سے جہاں جس چیز کی جتنی ضرورت ہو گی ، وہ اتنی ہی موزون و مناسب مقدار میں موجود نظر آئے گی ،

حنیفیۃ السمحۃ لیلھا کنھارھا ، — ہر طرح کے پیچ و خم سے پاک ، اعتقاد و عمل میں سہل و آسان ، اس کی راتیں بھی ایسی ہی منور ہیں جیسے کہ اس کے دن روشن و تابان ہیں ،

اسلامی تعلیمات کی اصل اساس جس پر اس کا سارا نظام قائم ہے ، وہ عقیدہ توحید ہے ، دائرہ اسلام میں اس وقت تک کوئی داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ زبان سے کلمہ طیبہ کا اقرار اور دل سے اس پر یقین نہ کرے ، اس کلمہ کے الفاظ و معانی پر غور کیا جائے ، وہ مختصر اور سیدھے سادے بول میں توحید کا عطر کھینچ کر رکھ دیا گیا ہے ، اگر ان کی شرح کی جائے تو اس کے لئے دفتر کے دفتر درکار ہوں

اور اگر ایجاز و اختصار کیا جائے تو ایک شوشہ بھی کم نہیں کیا جا سکتا ، نفی و اثبات کی ساری وسعتوں کو چار چھوٹے لفظوں میں سمو کر تیغِ لا سے جملہ معبودانِ باطل کا صفایا کر دیا گیا ہے ، خواہ وہ انسانوں کے بھیس میں ہوں یا دولت و جاہ اور خواہشات کے روپ میں حضرت امام جعفر صادق سے یہ قول منسوب کیا جاتا ہے ،

ماشغلک عن الحق فھو صنمک — جو چیز بھی تیری توجہ کو خدا کی طرف سے ہٹا دے وہی تیرا بُت ہے ،

افرءیت من اتخذ الٰھہ ھواہ (جاثیہ ۲۳) خواہشات کو خدا بنا لینا خود نصِ قرآن سے ثابت ہے ،

عشوۂ ابلیس از تلبیس تست — در تو یک یک آرزو ابلیس تست
چون کنی یک آرزوے خود تمام — در تو صد ابلیس زاید والسلام

لا الہ کہنے میں تو نہایت آسان ہے اور ہر مسلمان رات اور دن میں سینکڑوں مرتبہ اس کی مالا جپتا ہے ، مگر بہت کم ایسے ہیں ، جو اس کے مضمرات و تضمنات سے بخوبی واقف ہیں ، کتنا بڑا دعویٰ ہے جو کیا جا رہا ہے ، اور اس سے کما حقہٗ عہدہ برآ ہونا کس قدر دشوار ہے ، کیا اس سے تمام غیر الٰہی طاقتوں اور فرمانرواؤں کی نفی نہیں کی جا رہی ہے ؟ کتنے ہیں جو رات اور دن اس کا ورد رکھنے پر بھی بندۂ اقتدار ، بندۂ دینار ، اور بندۂ ہوا و ہوس نہیں بنے ہوئے ہیں ؟ ہر تعمیر سے قبل تخریب ضروری ہے ، جب کوئی نیا نقش کسی لوح پر کندہ کیا جائے گا ، تو پہلا کام تمام سابقہ نقوش کو مٹا کر اُن کی آلودگیوں سے پاک کرنا ہوگا ، جب تک پرانے نقش نہیں مٹیں گے نیا نقش پوری طرح ابھر نہیں سکتا ، حریمِ الا اللہ تک باریابی کے لئے پہلے ماسوی اللہ کی نفی ضروری ہے ،

تا بہ جاروب لا نہ روبی راہ — نہ رسی در سرائے الا اللہ

کیا دنیا کے مذاہب اس ایجاز و بلاغت کے ساتھ اس حسین کلمہ کا مثل پیش کر سکتی ہے ؟ الفاظ گنے چنے اور معانی و مطالب کا یہ عالم ہے کہ ایک سمندر کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے ، ماقل و دل کا صحیح مصداق لا الہ الا اللہ

سے بڑھ کر اور کوئی کلمہ نہین ہو سکتا،

شلِ خورشیدِ سحر فکر کی تابانی مین
بات مین سادہ و آسان معانی مین دقیق

اس کی نزہت و تازگی کا یہ عالم ہے کہ ہر آن اس کی زیبائی و خوبروئی اپنے نئے نئے جلوے دکھلاتی ہے، خواہ خوشحالی کا عیش و طرب ہو یا تباہ حالی کا درد و کرب، ہر دو صورتون مین یہ کلمہ وجہِ تسکینِ قلب ہے، کہین مقامِ شکر پر فائز اور کہین مقامِ صبر کی طمانیت بخشیون سے بہرہ ور،

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہین پابند
بہار ہو کہ خزان لا الٰہ الا اللہ

یہی کیفیت سورۂ فاتحہ کے حسن و جمال کی ہے، یہ وہ سورت ہے جس کے پڑھے بغیر نماز ہی نہین ہو سکتی، لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب، جس طرح کلمۂ طیبہ اساس الایمان ہے، اسی طرح یہ سورہ بھی اساس القرآن ہے، اس سورہ کے اور بھی مشہور نام سبع المثانی، الکافیہ، الکنز اور اُم القرآن ہین جن سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، اس سورت اور قرآن کی بقیہ سورتون مین اجمال و تفصیل کا سا تعلق ہے، تمام قرآن مین دینِ حق کے جو مقاصد شرح و بسط کے ساتھ بیان ہوئے ہین، ان سب کو اس سورۃ مین کمال خوبی کے ساتھ سمیٹ لیا گیا ہے، سات چھوٹے چھوٹے بول ہین، کوئی بول چار پانچ لفظون سے زیادہ نہین، اور ہر آیت بلحاظ معانی و مطالب اپنی خوبروئی و دلنشینی مین ایک نگینہ ہے، جو اس انگشتری مین جڑ دیا گیا ہے، اس کا دعائیہ اسلوب تبلاتا ہے کہ ہر وہ صداقت شعار انسان، جو خدا پرستی کی راہ مین گامزن ہوتا ہے، اس کی صدائے حال کیا ہوتی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک طالبِ صادق کی زبان پر خدا پرستی کے فکر و وجدان کا یہ ایک سرجوش ہے، جو کوثرِ قلب سے ابل ابل کر آبشارِ نطق کی صورت بہ رہا ہے، کیا کسی زبان اور کسی مذہب مین اس سورت کی مثال مل سکتی ہے جس مین حمد و ثنا کی بلندیون کو عجز و نیاز کی پستیون کے ساتھ اس حسن و لطافت سے ہم آمیز کیا گیا ہو،

صفائے دُرد و تناک یاد دارم
کہ صلح داد ہم آفتاب و شبنم را

نماز جو اساس الاعمال اور اساس العبادات ہے، اس کے ارکان و آداب پر غور کرو، اس مین اعضا

و جوارح کی ہر جنبش کس قدر واقعیت پسند اور حسن کا پہلو لئے ہوئے ہے، خالقِ کائنات کے دربار مین دن کے مختلف اوقات مین پانچ وقت حاضری کی پکار ہوتی ہے، جیسے ہی اس کی صدائے روح پرور سامعہ نواز ہوئی، صفائی اور پاکیزگی اور موزون زینت کے ساتھ صلوٰۃ و فلاح کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، ایک عظیم بارگاہ کا تصور کرو اور وہان اپنا معروضہ پیش کرنے کی کیفیت پر غور کرو، جس انداز سے نماز ادا کی جاتی ہے، وہ اس صورتِ حال کا کس قدر دلآویز نقشہ پیش کرتی ہے، قول و عمل دونون سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و بڑائی اور اپنی عبدیت و بندگی کا اقرار و اظہار کیا جاتا ہے، اس کے سامنے نظرین نیچی کر کے دست بستہ کھڑے ہو کر، سر جھکا کر، زمین پر سر ٹیک کر، سامنے دو زانو بیٹھ کر اپنی عاجزی و درماندگی اور خدا کی عظمت و کبریائی ظاہر کی جاتی ہے، زبان سے اس کی حمد و ثنا، اور تسبیح و تقدیس کی جاتی ہے، اس کی ربوبیت و کبریائی، اور رحم و کرم کا اقرار کیا جاتا ہے، اور اپنی عبدیت کا اقرار کر کے اس سے امداد و دستگیری، اور ہدایت و رہنمائی کی درخواست کی جاتی ہے، اور نماز کے مختلف حصون مین اس کی بڑائی کا اعلان کیا جاتا ہے،

یہ ہے نماز کی ظاہری اور معنوی شکل جو اگر خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کی جائے تو معراج کا حکم رکھتی، اور آنکھون کی ٹھنڈک اور قلب کی سکینت بن جاتی ہے، یہی معنی ہین "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب" اور قرۃ عینی فی الصلوٰۃ کے،

اسیرِ لذتِ تن ماندۂ، وگرنہ ترا
چہ گنجہاست کہ در ملکِ جان نہانیست

کیا عبادت کا اس سے بہتر اور حسین طریقہ اور بھی کوئی دوسرا ہو سکتا ہے، سادگی کا یہ عالم کہ کسی مقام کی تخصیص نہین، ساری روے زمین مسجد کے حکم مین داخل، اس کے لئے نہ کسی خاص سر و سامان کی ضرورت ہے، اور نہ کسی عظیم اہتمام کی، پانی نہ ملے، تو مٹی سے پاکی حاصل کر لو، خواہ میدانِ جنگ ہو یا ناز و نعم کے عشرت کدے، فرشِ خاک پر ہو، یا مسندِ کمخواب پر، حاضری دربار کا جہان بھی وقت آجائے ہزارون سجدے جبینِ نیاز مین تڑپتے دکھائی دینے لگے، انفرادی و اجتماعی صورتون مین اس کی صوری و معنوی خوش منظری اپنی مثال نہین رکھتی جس کا دامن ان نعمتون سے مالامال ہو، کیا وہ تہی دست و خستہ حال کہلایا جا سکتا ہے؟

خدا کی یاد ہے طاقت ہماری
مصلی ہے ہمارا تخت شاہی

ہماری فوج ہے اخلاق حسنہ
ہمارا حسن ہے ترک مناہی

بلند اپنی نظر ہے فضل حق سے
کرے گی کیا کسی کی کم نگاہی

آئین اپنے مٹنے کا رنج نہیں لیکن قلق اس بات کا ہے کہ دوسروں کی نگاہوں میں ہم اپنی وجود سے اسلام کو بدنام کر رہے ہیں، جس نے صرف ایک ہی کے در پر جھک کر سربلندی حاصل کی ہو، اس کو دوسری چوکھٹوں پر جھکا کر ذلیل نہ کیا جائے، خواہ وہ کسی پیر و ولی کا آستانہ ہو یا کسی صاحب حکم و اختیار کی دہلیز، اگر اپنی عزت نفس کا خیال نہ ہو تو کم سے کم اس در کی تو لاج رکھنی ہے، جس کی خاک آستان پر یہ سر جبہ سا ہو چکا ہے،

بیم تیغم نیست لیکن، این سر کم بخت را
دوست می دارم کہ زیر پاے او بسیار بود

اب ہم ان تمام تعلیمات کو قرآن و حدیث سے انتخاب کر کے یکجا پیش کرتے ہیں، جن میں حسن کا پہلو نمایاں حیثیت رکھتا ہے، جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلام کوئی تعلیم حسن و خوبی کے عنصر سے خالی نہیں لیکن یہاں ہم صرف ان آیات و آثار پر اکتفا کریں گے جن میں خاص طور پر اس وصف کو ابھارا گیا ہے،

مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے لفظ احسان کی یہ تشریح کی ہے کہ جو کام بھی کیا جائے اس جذبہ سے کیا جائے کہ کمال حسن و خوبی سے انجام پائے، اس لئے ان کا خیال تھا کہ قرآن میں جہاں بھی محسنین کا لفظ آیا ہے، اس سے مراد ایسے ہی لوگ ہیں جو اپنے اعمال میں حسن پسند واقع ہوئے ہیں یعنی جو ایمان و عمل کے ادنیٰ درجہ پر قناعت نہیں کرتے، بلکہ ان کی انجام دہی میں قلب و نظر کی پوری یکسوئی، جسم و جان کی کامل ہم آہنگی، اور خوبی و کمال کی ساری دلآویزی کو پیش نظر رکھتے ہیں، قرآن میں ایسے ہی لوگوں کو سراہا گیا ہے، اور ان کو ان کے عمل پر بشارت و خوشخبری سنائی گئی ہے، اور ذات خداوندی سے نسبت و اضافت کا عز و اختصاص بخشا گیا ہے، جو تشریف و محبت پر دلالت کرتا ہے،

فَبَشِّرْ عِبَادِيَ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ (زمر - ۱۰)

میرے ان بندوں کو خوشخبری پہنچا دو، جو کلام کو توجہ سے سنتے اور اسکی بہترین باتوں کی پیروی کرتے ہیں

غلام نرگس مستم خوانہ لالہ رخسارے
سیاہ روئی من کر د عاقبت کارے

قرآن مجید میں خدا کی صفتوں کا تصور سراسر حسن و خوبی قرار دیا گیا ہے،

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا، (الاعراف، ۱۷۹)

اور دیکھو اللہ کے لئے حسن و خوبی کے نام ہیں اور تم ان ہی ناموں سے اُسے پکارو،

ایک مقام پر اولاد آدم کو یہ حکم دیا جاتا ہے،

يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۝ (الاعراف ۳۱-۳۰)

اے اولاد آدم عبادت کے ہر موقع پر اپنے جسم کی زیب و زینت (یعنی حسن ظاہری) سے آراستہ رہا کرو، نیز کھاؤ پیو، مگر حد سے تجاوز نہ کرو، خدا اُن کو پسند نہیں کرتا، جو حد سے گذر جانے والے ہیں، ان لوگوں سے کہو خدا کی زینتیں جو اس نے اپنے بندوں کے برتنے کے لئے پیدا کی ہیں، اور کھانے پینے کی اچھی چیزیں کس نے حرام کی ہیں،

قرآن کی اس انقلاب انگیز آیت نے عبادت و بندگی کا نقشہ ہی بدل دیا، دوسرے مذاہب کے پیرو روحانی نجات و سعادت کو ترک دنیا میں ڈھونڈتے تھے، اس آیت نے دنیا کو سرتاسر دین بنا دیا، دنیا میں جو کام بھی خدا کے احکام کے مطابق کیا جائے گا، وہ عبادت ہی کے حکم میں ہے، اور روحانی سعادت و سربلندی اسی راہ سے حاصل ہو سکتی ہے، اسلام میں ان جوگیوں، سادھوؤں اور راہبوں کا کوئی مقام نہیں، جو جسم پر چیتھڑے لگائے اور خاک اور بھبوت ملے انسان کے بجائے دوسری مخلوق دکھائی دیتے ہیں، اس آیت میں زینت سے مقصود وہ تمام چیزیں ہیں جو زندگی کی فطری ضروریات سے زائد ہوں، مثلاً اچھا لباس، عمدہ غذائیں، اور معیشت کی تمام ضروری آسائشیں اور

لذتیں جب ہم اس آیت کے ذیل میں بخاری کی اس حدیث پر نظر ڈالتے ہیں، جو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:-

كُلْ مَاشِئْتَ وَالْبَسْ مَا شِئْتَ — جو تیرا جی چاہے کھا، جو تیرا جی چاہے پہن،

مااخطاتك اثنتان سَرَفٌ وَ مَخِيلَةٌ، — (سب کچھ جائز ہے) جب تک دو باتیں یعنی اسراف اور تکبر تیرے مزاج میں راہ نہ پائے

تو کلوا واشربوا میں کس قدر وسعت پیدا ہو جاتی ہے،

حسن وجمال کا ایک ضروری عنصر پاکیزگی و نظافت بھی ہے، حضورؐ کا ارشاد ہے،

بُنی الاسلام علی النظافة — اسلام کی بنا پاکیزگی پر ہے،

موطا میں عطاء بن یسار نے حضورؐ سے روایت کی ہے کہ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا جس کے سر اور داڑھی کے بال پریشان تھے، آپ نے دستِ مبارک سے سر اور داڑھی کے بالوں کی اصلاح و درستگی کے لئے اشارہ فرمایا، وہ اُن کو درست کرکے حاضرِ خدمت ہوا، تو آپ نے ارشاد فرمایا، کیا یہ حالت اس ہیئت سے بہتر نہیں ہے کہ تم میں کا ایک شخص آتا ہے جس کے بالوں کی ژولیدگی ایسی ہوتی ہے گویا وہ بدروئی میں ایک بھوت کے مثل ہے،

ترمذی اور نسائی میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ انصار کے پاس ملاقات کی غرض سے تشریف لے گئے، ایک شخص کے سر کے بال ژولیدہ اور پراگندہ تھے، اس کو دیکھ کر ارشاد ہوا کیا اس کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جس سے اپنے بالوں کو سنوار سکے، اسی موقع پر ایک دوسرا شخص میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے دکھائی دیا، اس کو دیکھ کر آپ نے فرمایا کیا یہ ایسی کوئی چیز نہیں پاتا جس سے اپنے کپڑوں کو دھو کر صاف کر سکے،

نسائی میں ابوالاحوص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوا کہ میرے جسم پر ادنیٰ اور میلے کچیلے کپڑے تھے، حضورؐ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ مال ہے، میں نے عرض کیا جی ہاں، فرمایا کس قسم کا مال ہے، میں نے اس کی تفصیل بتلائی کہ خدا نے مجھے اونٹ گھوڑے

گائے، بکری، غلام سب کچھ دے رکھا ہے، ارشاد ہوا جب خدا نے تم کو یہ سب کچھ عطا فرمایا ہے، تو چاہیئے کہ اس کی نعمتوں کا اثر تم پر ظاہر ہو،

علامہ بدر الدین عینی نے بخاری کی شرح میں فاروقِ اعظمؓ کا ایک اثر پیش کیا ہے کہ انھوں نے دیکھا کہ ایک شخص نے اپنی داڑھی بے ترتیب چھوڑ رکھی ہے، حضرت فاروقؓ نے اُس کی داڑھی پکڑ کر اپنی طرف کھینچی اور قینچی منگا کر ایک شخص کو حکم دیا کہ جتنا حصہ مقدار قبضہ سے زائد ہے، اسے تراش دیا جائے، اور اس عمل کی یہ وضاحت فرمائی کہ تم میں سے بعض لوگ اپنے آپ کو اس طرح چھوڑ دیتے ہیں گویا وہ درندوں میں سے ایک درندہ ہیں، کیا تعجب کی بات ہے کہ آج کل ان ہی بدہیئتوں کو تقدس اور پاکبازی کا وصف قرار دیا جا رہا ہے،

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا — کہ غلاموں میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ عتبہ کی بیٹی، ابوسفیان کی بیوی، اور معاویہ کی ماں ہندہ نے عرض کیا یا نبی اللہ مجھ سے بیعت لیجئے، آپ نے فرمایا تاوقتیکہ تو اپنے دونوں ہاتھ متغیر نہ کرے گی، (یعنی ہاتھوں کو مہندی نہ لگائے گی) میں تجھ سے بیعت نہ لوں گا، تیری دونوں ہتھیلیاں گویا درندوں کی ہتھیلیاں ہیں،

غیر قوموں کے ساتھ تعلقات اور اُن کی ہدایت وارشاد میں بھی قرآن کی تعلیم یہی ہے کہ ہر معاملہ میں احسان اور حسن و خوبی کو مدنظر رکھا جائے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے،

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ، (عنکبوت - ۴۶) — اور (مسلمانو!) اہلِ کتاب سے جھگڑا نہ کیا کرو، مگر صرف اس طریقہ سے کہ عمدہ اور شائستہ طریقہ پر ہو،

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ — خوبی اور برائی باہم برابر نہیں ہوسکتی، برائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو کہ وہ (دیکھنے والوں کی نظر میں) بہت ہی پسندیدہ ہو،

حَمِيمٌ ٥

(حٰم السجدہ - ۳۴)

(اگر ایسا کروگے) تو (تم دیکھو گے کہ) تم میں اور کسی شخص میں عداوت ہو، تو اب ایک دم سے گویا وہ تمہارا دلسوز دوست ہے"

اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ٥

(المؤمنون ۹۵)

اے پیغمبر برائی کو برائی سے نہیں، بلکہ ایسے طرزِ عمل کے ذریعہ دور کرو، جو بہتر طرزِ عمل ہو، ہم ان باتوں سے بے خبر نہیں، جو یہ تیری نسبت کہتے رہتے ہیں"

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ٥

(النحل - ۱۲۵)

اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگوں کو بلاؤ، اس طرح کہ حکمت کی باتیں بیان کرو، اور اچھے طریقے پر پند و نصیحت کرو، اور مخالفوں سے بحث و نزاع کرو، تو (وہ بھی) ایسے طریقہ پر کہ حسن و خوبی کا طریقہ ہو"

وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ٥

(بنی اسرائیل ۵۳)

اور (اے پیغمبر!) میرے بندوں سے کہہ دو (یعنی اُن سے جو دعوتِ حق پر ایمان لائے ہیں مخالفوں سے گفتگو کرتے ہوئے) جو بات کہو، ایسی کہو کہ خوبی کی بات ہو،

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ٥

(المزمل - ۱۰)

اور (دعوتِ حق کے مخالفوں کے ساتھ) ہجرِ جمیل اختیار کرو، (یعنی ایسی کنارہ کشی اور علحدگی جس میں کسی قسم کا شائبۂ انتقام [illegible]

اس حسن اخلاق کا کیا ٹھکانا ہے کہ دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ برتاؤ میں بھی خوبی اور بھلائی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا انسان جذبۂ انتقام میں کیا کچھ نہیں کر گذرتا، مادہ پرست انسان کا یہ اصول ہے کہ All is fair in love and war (یعنی محبت اور جنگ میں ہر چیز روا ہے) مگر جو ملت ایسے موقعوں پر بھی اعتدال و توازن کے حسن کو ترک نہیں کرتی وہ خوبی و کمال کے کس بلند مقام پر فائز ہوگی"

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا — دلِ دشمنان ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود این مقام — کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

مصائب و شدائد کی دردناکیوں اور رنج و الم کی جانکاہیوں میں بھی اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اس کو پسندیدہ طریقہ پر انگیز کیا جائے، قرآن مجید نے حضرت یوسفؑ کے قصہ میں حضرت یعقوبؑ کی زبان سے اس تعلیم کو پیش کیا ہے، جب برادرانِ یوسف نے حضرت یوسفؑ کو کنوئیں میں پھینک کر یہ اطلاع دی کہ وہ بھیڑیئے کا شکار ہو گئے تو حضرت یعقوبؑ کی زبان سے بے اختیار یہ کلمہ نکلا:-

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ

(یوسف - ۱۸)

(باپ نے اُسے دیکھتے ہی کہا) نہیں (میں اسے نہیں مان سکتا) یہ تو ایک بات ہے جو تمہارے نفس نے گڑھ کر تمہیں خوشنما دکھا دی ہے (اور تم سمجھتے ہو چل جائے گی) خیر میرے لئے اب صبر کرنا ہے (اور) صبر (بھی ایسا کہ) پسندیدہ (ہو)، اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مانگنی ہے،

پھر یہی فقرے ابن یامین کے مصر میں روک لئے جانے کے وقت بھی حضرت یعقوبؑ کی زبان پر جاری ہوئے تھے، صبر کے معنی شدائد جھیلنے کے ہیں جمیل کے معنی پسندیدہ بات، پس صبر جمیل وہ صبر ہوا جو بڑے ہی پسندیدہ طریقہ پر اختیار کیا جائے، یعنی زبان پر نہ شدائد کا شکوہ ہو اور نہ درد و الم کی شکایت ہو، فَاصْبِرْ صَبْرًا

جَمِیْلًاؕ (المعارج - ۵)

لب پر آہ و درون پر خیالِ رُخ دوست — در نفس دوزخ و در سینہ گلستان دارم

مسلم میں حضورؐ کا ارشاد ہے،

اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ وَیُحِبُّ الجمال — بلاشبہ خالقِ کائنات صاحبِ جمال ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے،

ترمذی میں حدیث معراج میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی ایک روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں نے اپنے پروردگار کو شب معراج میں ایک جوان سال حسین مرد کی صورت میں پایا ایک سبزہ آغاز مرغولہ مو لڑکے کی صورت میں دیکھا یعنی حسن وجمال کے لباس میں،

اسلام میں حسن پسندی اور جمال آرائی کی اہمیت اور اس کے دائرہ کی وسعت کا ثبوت صحیح مسلم کی اس مشہور حدیث سے ملتا ہے۔

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوسٍ عَنْ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قَالَ اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَۃَ وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذَّبْحَ وَلْیُحِدَّ اَحَدُکُمْ شَفْرَتَہٗ وَلْیُرِحْ ذَبِیْحَتَہٗ، (الحدیث مسلم)

شداد بن اوس سے روایت ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ نے حسن و خوبی کو ہر چیز پر واجب گردانا ہے، تو جب تم کسی کو قتل کرنے لگو، تو اسے بہتر اور عمدہ طریق کے ساتھ قتل کرو، اور جب جانور کو ذبح کرو تو پسندیدہ طریق پر ذبح کرو، یعنی تم میں سے ہر ایک شخص کو اپنی چھری تیز کرلینی اور ذبیحہ کو راحت پہنچانی چاہئے"،

اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ کے عموم پر غور کرو، ہر کام میں کس شدت کے ساتھ اس کا

وجوب پایا جارہا ہے، اس میں حسن کاری کو بطور ایک سنت اللہ کے پیش کیا گیا ہے، یہاں تک کہ مردے کے ساتھ بھی اس پسندیدہ طریقِ عمل کی ہدایت کی گئی ہے، ترمذی کی حدیث ہے:

اذا کفن احدکم اخاہ فلیحسن کفنہ — جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفن پہنائے تو چاہئے کہ اچھا کفن پہنائے،

کنز العمال میں ہے کہ ایک دفعہ حضورؐ کسی قبر کے قریب سے گذر رہے تھے، اتفاقاً اس میں کچھ رخنہ سا رہ گیا تھا، آپ کے خادم خاص حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آپ اس رخنہ کو دیکھ نہ سکے، اور حکم دیا کہ اس کو بند کردیا جائے، ایک صحابی نے جنھیں اس وقت شرف معیت حاصل تھا، عرض کیا کہ اس بیچارے مردے کو اس کا کیا نفع پہنچ سکتا ہے، ارشاد ہوا بے شک اس سے اس کو نہ ضرر پہنچتا ہے اور نہ نفع مگر اس سے زندہ کی آنکھ ٹھنڈی ہوتی ہے، کیا ٹھکانا ہے رحمتِ عالم کے لطافتِ مزاج کا، کہ قبور کی شکستہ حالی تک طبع لطیف پر شاق تھی، اور زندوں کی خاطر انھیں بھی سنوارا جاتا تھا،

برہر زمین کہ جلوہ کنی آسمان کنی — می زیبدت، کہ ناز بہ کون و مکان کنی

ناموں میں بھی حضورؐ کو وہ نام پسندیدہ ہوتے تھے، جن میں حسن وخوبی پائی جاتی ہو، حضرت عمرؓ کی ایک بیوی کا نام عاصیہ تھا جس کے معنی گنہگار کے ہیں، آپ نے اس کو بدل کر جمیلہ رکھا، حضرت امام حسنؓ کی ولادت کے بعد آپ تشریف لائے، اور حضرت علیؓ سے نام دریافت فرمایا، حضرت علیؓ نے حرب بتلایا، فرمایا حرب نہیں حسن نام رکھو، یہی صورت حضرت امام حسینؓ کی ولادت کے وقت بھی پیش آئی، اور بجائے حرب کے حسین نام رکھا، ابوداؤد میں حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

تُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ بِاَسْمَائِکُمْ وَاَسْمَاءِ اٰبَائِکُمْ فَاَحْسِنُوا اَسْمَاءَکُمْ، (الحدیث، ابوداؤد)

لوگو! تم قیامت کے دن اپنے اور اپنے باپ کے ناموں سے پکارے جاؤگے، اس لئے تم کو چاہئے کہ اچھے نام رکھا کرو،

خود ذاتِ اقدسؐ کو قرآن پاک نمونۂ کمال اور حسن و خوبی قرار دیتا ہے، لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب ۲۱) رسول کی زندگی مین تمھارے لئے اتباع و پیروی کا ایک اعلیٰ اور پسندیدہ نمونہ ہے، بجز اسوۂ حسنہ کے کوئی دوسری مثال ہمارے لئے قابلِ تقلید نہین،

نو د روے تو گلہاے باغ را چہ کنم
چو آفتاب برآمد، چراغ را چہ کنم

تلاوتِ قرآن کے وقت بھی حتی الامکان اپنے لحن و صوت کی تحسین کا حکم دیا گیا ہے تاکہ قاری و سامع دونون کو روحانی فرحت و تازگی حاصل ہو اگر فصیح سے فصیح کتاب بھونڈے طریقہ پر پڑھی جائے تو اس سے سننے والون کو خوش ہوگا، اور اس کا حسن و جمال پورا نکھر نہ سکے گا، اسی لئے زینوا اصواتکم بالقرآن کی تاکید کی گئی ہے، یعنی اپنی آوازون کو قرآن کی تلاوت سے زینت دو، سعدی کا وہ واقعہ یاد ہوگا جب انھون نے ایک شخص کو مکروہ آواز مین قرآن پڑھتے ہوے دیکھ کر کہا تھا.

گر تو قرآن بدین نمط خوانی ــ ببری رونقِ مسلمانی

سلام کے جواب مین بھی قرآن نے حسن ادا کو ملحوظ رکھا ہے، اور اس بارہ مین یہ حکم دیا ہے،

وَاِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوهَا، (النساء - ۸۶)

جب تم کو سلام کیا جائے تو تم اس کے جواب مین اس سے بہتر اور احسن طریقہ پر سلام کرو، یا کم از کم ویسا ہی جواب ادا کرو،

صحت و تندرستی اور جسمانی حسن تک کو اچھی حالت مین قائم رکھنے کی اسلام نے تاکید کی ہے، حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ایک طاقت ور مسلمان ایک کمزور مسلمان سے بہتر ہے، صحت و توانائی کے اظہار مین کوئی برائی نہین، مخالفین کے سامنے اپنی کسی کمزوری کو ظاہر نہ کیا جائے، ہجرت مدینہ کے بعد جب پہلی دفعہ مسلمان حج کے لئے گئے، تو مدینہ کے موسمی بخار نے ان کو کمزور کر دیا تھا اس لئے ان سے طواف کعبہ کے وقت اضمحلال کے آثار ظاہر ہوتے تھے، اس کمزوری کو

دیکھ کر مخالف طعنہ زن ہوئے، تو حضورؐ نے طواف مین رمل کا حکم دیا جس پر اب تک عمل کیا جاتا ہے، خضاب کی اجازت مین بھی یہی مصلحت ہو کہ دشمنون پر مجاہدین کے ضعف و پیری کے آثار ظاہر ہونے نہ پائین، اور ہر شخص جوان و توانا نظر آئے، ترمذی اور ابو داؤد مین حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا بہتر چیز جس سے بڑھاپا بدل دیا جاتا ہے، مہندی اور وسمہ ہے،

جسمانی طاقت و توانائی اور ظاہری حسن و خوبی کے بارہ مین ہم یہان امام غزالی کی میزانِ عمل کا ایک اقتباس پیش کرتے ہین جس سے اس بیان کی مزید وضاحت ہوتی ہے،

"اگر تم پوچھو کہ فضائل جسمی کی کیا حاجت ہے، تو ہم کہین گے کہ صحت و قوت اور طول عمر کی بے شک ضرورت ہے، بعض لوگ خوبروئی کو حقیر سمجھتے ہین، اور کہتے ہین فضائلِ جسمی کے لیے یہی کافی ہے کہ جسم امراض سے محفوظ و سلامت ہو، تاکہ فضائل کے حصول مین رکاوٹ نہ پیدا ہو، مگر مجھے اپنی عمر کی قسم ہے کہ خوبصورتی کی واقعی تھوڑی سی بہت ضرورت ہے، اور یہ بھی ایک سعادت اور خیر ہے، دنیوی لحاظ سے تو ہر شخص اس کو جانتا ہے اور اخروی لحاظ سے دو طریق پر، اول یہ کہ بد صورتی مذموم شے ہے، اور طبائع اس سے نفرت کرتے ہین، حسن ایک طاقت ہے حسین کی ضروریات جلد پوری کی جاتی ہین، اس لحاظ سے خوبصورتی بھی مال و دولت کی طرح کامیابی کا ایک ذریعہ ہے، اور جو شے دنیوی حاجتون کے پورا کرنے مین مددگار ہوگی، وہ آخرت مین بھی معاون ہوگی، کیونکہ آخرت دنیوی اسباب ہی کے ذریعہ حاصل کی جاتی ہے، دوسرے حسن عام طور پر خوبی روح پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ روح کی نورانیت جب کامل ہو جاتی ہے، تو اس کا پرتو بدن پر پڑنا شروع ہوتا ہے، انسان کا ظاہر اس کے باطن کا آئینہ ہوتا ہے، اسی لئے اصحاب فراست قیافہ سے اخلاقِ باطن پر استدلال کیا کرتے ہین، آنکھ اور چہرہ باطن کا آئینہ ہین، کیونکہ ان مین غصہ اور مسرت کا اثر ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ چہرہ کی حالت دل کے خیالات کا عنوان ہے، اگر زمین کے اندر بری شے ہے تو یقین جانو کہ سطح پر اس سے بدتر ہوگی"

ع از کوزہ ہمان برون تراود کہ در وست

ایک دفعہ مامون فوج بھرتی کر رہا تھا کہ ایک کم رو شخص اُس کے سامنے لایا گیا، مامون نے اس سے گفتگو کرنی چاہی، تو وہ گونگا نکلا، اس نے اس کا نام کاٹ دیا، اور کہا روح کی بُرائی جب جسم پر ظاہر ہو جائے، تو یہ باعثِ ذلت ہے، اور یہاں نہ اس کا ظاہر ہے، اور نہ باطن، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہی،

اطلبوا الحاجۃ عند حسان الوجوہ[1]، — خوش رو لوگوں سے اپنی حاجت طلب کیا کرو،

پھر فرمایا:

اذا بعثتم رسولا فاطلبوا احسن الوجہ وحسن الاسم؛ — جب تم کہیں قاصد روانہ کرو تو ایسے شخص کو انتخاب کرو، جو ذی وجاہت ہو اور جس کا نام بھی عمدہ ہو،

فقہاء کا قول ہے کہ جب نمازی درجات و مراتب کے لحاظ مساوی ہوں تو امامت کے لئے سب سے زیادہ خوبصورت شخص اولیٰ ہی، اللہ تعالیٰ نے بھی جسمانی خوبی کو احسان بیان کرتے ہوئے فرمایا وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم، طالوت علم وجاہت کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر تھے، جن لڑکیوں نے حضرت موسیٰ ع کو ملازم رکھنے کے لئے اپنے باپ سے سفارش کی تھی، انھوں نے ان کے اوصاف میں جسمانی طاقت و توانائی ہی کو پیش کیا تھا"

خوبروئی سے ہماری مراد وہ جمال و حسن نہیں جو محرک شہوت ہے، یہ تو نفسانیت ہے، بلکہ مقصد ہے، کہ بلند و بالا قد ہو، ذی وجاہت ہو، اعضا متناسب ہوں اور چہرہ پارعب و دلآویز ہو، جو نگاہ پر کسی طرح گراں نہ گذرے،"

روئے نکو معالجۂ عمر کوتہ است — این نسخہ از بیاضِ مسیحا نوشتہ ایم

یہی وجہ ہے کہ جتنے انبیاء نبوت سے سرفراز کئے گئے، وہ ظاہری حسن و جمال سے بھی آراستہ تھے جس کا اتمام

---

[1] معارف: یہ حدیث صحیح نہیں ہے،

و کمال حضورؐ کی ذاتِ اقدس پر ہوا،

نار او صد نور ابراہیمؑ سوخت — تا چراغ یک محمدؐ بر فروخت

حضرت ابوہریرہؓ کا یہ بیان ہے:

ما رأیتُ شیئاً احسنَ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؛ — میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی خوبرو حسین تر شے نہیں دیکھی،

حضرت جابرؓ سے کسی نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تلوار کی طرح چمکتا تھا؟ بولے نہیں ماہ و خورشید کی طرح، انہی کی دوسری روایت یہ ہے کہ ایک شب کو جب مطلق ابر نہ تھا، اور بدر کامل پوری طرح ضوفشاں تھا، میں کبھی آپ کو دیکھتا تھا اور کبھی چاند کو، تو آپ مجھے چاند سے زیادہ خوبرو معلوم ہوتے تھے حضورؐ نے خود اپنی بابت یہ ارشاد فرمایا ہے، انا املح واخی یوسف اصبح، ملاحت و صباحت میں جو فرق ہے، وہ اربابِ نظر اور اصحابِ ذوق سے پوشیدہ نہیں،

خوبان بسے بچشم درآیند و بگذرند — آن شوخ دیگر اند کہ در سینہ جا کنند

کائنات جس طرح ایک نمایش گاہِ حق ہے، اور خالقِ کائنات جس طرح احسن الخالقین ہی، اسی طرح انسان بحیثیت خلیفۃ اللہ کے حسن آفرین و جمال آرا واقع ہوا ہے، اور وہ موجودات میں اپنے حسن کارانہ تصرفات پر نازاں ہے، اور خلق و تصرف کا باہمی موازنہ اس طرح پر کرتا ہے،

تو شب آفریدی چراغ آفریدم — سفال آفریدی، ایاغ آفریدم

بیابان و کہسار و راغ آفریدی — خیابان و گلزار و باغ آفریدم

من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم

من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

گر وہ یہ نہیں سمجھتا کہ بندہ کی خوبی جو کچھ بھی ہے وہ تمام کی تمام اس کے پیدا کرنے والے ہی کی طرف

راجح ہوتی ہے،

"کہ بندہ، خوبیٔ او خوبیٔ خداوند است"

اسلام جس طرح بندۂ مومن کو ایک پیکرِ حسن وخوبی بنانا چاہتا ہے، ویسے ہی اس کی تعلیم یہ بھی ہے کہ وہ نہ صرف اپنے کو سنوارے، بلکہ اپنے پورے ماحول اور گردوپیش کو جنت ارضی بنا دے، چنانچہ احادیث میں زمین کی آبادکاری پر بڑا زور دیا گیا ہے، اور مختلف پیرایوں میں اس کام کی ترغیب دلائی گئی ہے، بخاری کی ایک حدیث ہے کہ حضورؐ کا ارشاد ہے "جو مسلمان درخت بوتا یا کھیتی کرتا ہے، اور اس سے انسان جانور اور پرند وغیرہ اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں، وہ اس کے حق میں صدقہ بن جاتا ہے یعنی اجر و ثواب کا باعث ہوتا ہے،

علامہ ابوبکر جصاص حنفی نے آیت هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا (هود ۶۱) کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے، یہ آیت بتاتی ہے کہ کھیتی باغبانی اور تعمیر کے ذریعہ زمین کو آباد کرنا واجب ہے، اس کام کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے بھی ہوتا ہے جو کنز العمال میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اگر قیامت قائم ہو جائے، اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کوئی پودا ہو تو اگر اس کے بس میں ہو جب تک اس کو بٹھائے اس وقت تک کھڑا نہ ہو، تو چاہیئے کہ اس پودے کو بو دے،

چون دم بدم عنایت توفیق ممکن است   در تنگنائے نزع نہ کوشد کسے چرا

جو مسلمان کسی افتادہ زمین کو آباد کرتا ہے تو اسلام اس کو اسی کی ملک قرار دیتا ہے، اور اگر کوئی مالکِ زمین تین سال تک اپنی زمین کو بیکار ڈالے رکھے، تو اس کی ملکیت کا حق ساقط ہو جاتا ہے، اور حکومت کو یہ حق حاصل ہوتا ہے، کہ وہ اس سے چھین کر زمین ان لوگوں کے حوالے کر دے جو آبادکاری کی صلاحیت رکھتے ہوں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت بلالؓ کے ساتھ یہی عمل کیا، انھیں کچھ زمین حضورؐ نے عطا کی تھی، جس کو انھوں نے یونہی ڈالے رکھا تھا، اس لئے حضرت عمرؓ نے یہ زمین اُن سے لیکر مسلمانوں میں تقسیم فرما دی، (کتاب الخراج)

مسلمانوں نے ان تعلیمات پر جتنا عمل کیا، اور اُس کے جو نتائج نکلے، وہ صفحاتِ تاریخ پر ثبت ہیں، اور

جن ممالک پر وہ حکمران رہے، ان کے تہذیب وتمدن کے آثار زبانِ حال سے اپنی عظمتِ رفتہ کی داستان سنا رہے ہیں، انکے عہدِ حکومت میں جو رونق ان علاقوں کو حاصل ہوئی تاریخ اسے پھر دہرا نہ سکی، قرطبہ وغرناطہ، بغداد و دمشق، سمرقند وبخارا اور دہلی وآگرہ کے محلات و مقبرات تک فردوسِ نظر بنے ہوئے ہیں، اندلس کو چمنستان کی صورت میں کس نے بدل دیا تھا، بغداد کو الف لیلائی شان کس نے عطا کی، اور ہندوستان کو جنت نشان کس نے بنایا، مسلمانوں کا قدم جس سرزمین میں بھی پہنچا، اس کو انھوں نے گل وگلزار بنا دیا،

فسردہ دل کبھی خلوت نہ انجمن میں رہے   بہار ہو کے رہے ہم تو جس چمن میں رہے

انسان جب تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللهِ کی قبا اپنے قامت پر راست کر لیتا ہے، تو وہ بھی جلیل و جمیل بن جاتا ہے، قرآن مجید میں صفاتِ الٰہی کا جابجا ذکر آیا ہے، جو تعداد میں ننانوے ہیں، اُن کو قرآن اسمائے حُسنیٰ سے تعبیر کرتا ہے، اور ان میں ہر صفت خوبی وکمال کے کسی ایک پہلو کو پیش کرتی ہے، جب بندہ احکامِ الٰہی کی پیروی کے ذریعہ جسے حدیث میں قربِ نوافل سے تعبیر کیا گیا، ان صفات کو اپنے میں سمو لیتا ہے، تو خدا کہتا ہے کہ ...... میں اُس کا کان، آنکھ، ہاتھ اور پیر بن جاتا ہوں، جن سے وہ سنتا، دیکھتا، پکڑتا اور چلتا ہے، اور جس طرح خالقِ کائنات احسن الخالقین ہے، اسی طرح بندۂ مومن کا ہر عمل حسن وخوبی کا نمونہ ہوتا ہے، مردِ مومن کی عظمت وشان کا نقشہ اقبال نے اپنے ان اشعار میں بڑی خوبی سے دکھلایا ہے،

ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہاتھ   غالب وکارآفرین، کارکشا وکارساز

خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات   ہر دو جہان سے غنی اس کا دل بے نیاز

اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل   اس کی ادا دلفریب، اس کی نگہ دلنواز

نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو   رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز

عقل کی منزل ہے وہ، عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں، گرمیٔ محفل ہے وہ

چونکہ یہ معمارِ حرم ہے، اس لئے تعمیرِ جہان کا کام اس کے تفویض کیا گیا ہے، اگر یہ اپنی مفاد پرستی اور تن آسانی کے سبب اس فرضِ منصبی کو بھول جائے گا، تو خدا کسی دوسری قوم کو یہ مقام عطا کر دے گا، جس کا انتباہ خود قرآن مین موجود ہے،

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ، (المائدہ ۷-۵۴)	مسلمانو! تم مین سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائیگا (تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اس کے پھر جانے سے دینِ حق کو کچھ نقصان پہنچے گا) قریب ہے کہ اللہ ایک ایسا گروہ (سچے مومنون) کا پیدا کر دے جنھیں خدا دوست رکھتا ہوگا، اور وہ خدا کو دوست رکھنے والے ہون گے،

اس لئے اب یہ مسلمانون کے اختیار مین ہے کہ وہ دوسرن کی غلامی قبول کرین، یا اپنے فرض کو ادا کر کے خود دنیا کی فرمانروائی حاصل کرین،

یہ بندگی خدائی، وہ بندگی گدائی

یا بندۂ خدا بن، یا بندۂ زمانہ

یَا صَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ ۝ (یوسف، ۳۹)	اے یارانِ محبس! (تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ) جدا جدا معبودون کا ہونا بہتر ہے، یا اللہ کا جو یگانہ اور سب پر غالب ہے؛

شیخ سماء الدین دہلوی

از

ڈاکٹر نذیر احمد صاحب ایم اے، پی، ایچ، ڈی، ڈی لٹ

(۲)

وفات

اخبار الاخیار[۱] مین ہے کہ آخر وقت مین شیخ کی بصارت جاتی رہی تھی مگر خدا نے بغیر دوا کے اُن کی آنکھین روشن کر دین، شیخ[۲] نے طویل عمر پائی، سنہ ۹۰۱ھ مین تقریباً سو سال کی عمر مین انتقال فرمایا، انتقال سے پہلے وہ اپنے بڑے لڑکے شیخ عبد اللہ کو دیکھنا چاہتے تھے[۳]، جو ایک مدت سے صحرا نشین ہو گئے تھے، شیخ جمالی اُن کی تلاش مین جانے کو تیار تھے، اور شیخ سماء الدین نے بیٹے کے نام ایک اشتیاق نامہ بھی لکھا تھا جس مین یہ شعر درج تھا،

طاقتِ صبر مرا نیست برین ہجرِ طویل

قدم زود بنہ بر سر این پیرِ علیل

مگر دوسرے دن چاشت کے وقت شیخ جمالی کو طلب کر کے فرمایا، "معلوم نہین شیخ عبد اللہ کا دیدار نصیب ہوتا ہے یا نہین، میری خواہش یہ ہے کہ تم میرے پاس سے الگ نہ ہو، ورنہ ایسا نہ ہو کہ میرے جنازہ مین شریک نہ ہو سکو" اس کے بعد تقریباً ایک ہفتہ استغراق کا عالم طاری رہا، مگر ہر نماز کے لئے تازہ وضو کر کے نماز پڑھتے، پھر محویت طاری ہو جاتی، یہان تک کہ سترہوین جمادی الاوّل کو بعد نماز عشاء آنکھ کھولی، تبسم فرمایا، اور رحلت کی، شیخ جمالی نے یہ قطعہ نظم کیا،

---

[۱] ص ۲۱۱ [۲] ایضاً [۳] سیر العارفین ورق ۱۲۷

مرشد انس و ملک شاہ سماء الدین چو رفت　　اے جمالی بر سریر عرش آمد گام او

ہشت خلد آمد بنام او اگر پرسد کسے　　سال تاریخش بگو ہشت آمدہ بر نام او

"ہشت" کے ۷۰۵، ہوتے ہیں، اس میں "سماء الدین" کے ۲۰۰، شامل کرنے سے ۹۰۱ھ ہجری ہو جائیگا،

مولف خزینۃ الاصفیا نے یہ قطعہ لکھا ہے:[1]

سماء الدین ولی سہروردی　　کہ در ارض و سما حکمش رواں شد

چو از حکم قضا رخت سفر بست　　قضا تاریخ ترحیلش بیاں شد

دگر مہتاب جنت گشت روشن　　ہم عارف متقی سالش عیاں شد

ان کی تجہیز و تکفین کے وقت دہلی کے اکابر مشائخ و علما[2] موجود تھے، شیخ جمالی نے حضرت حاجی عبد الوہاب، مولانا عبد اللہ الہ داد، شیخ نصیر الدین اور حضرت زبدۃ الانام کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے، ان میں اول الذکر سید جلال بخاری کی اولاد میں تھے، جو حضرت مخدوم جہانیاں کے جد اور سلسلہ سہروردیہ کے ایک ممتاز رکن تھے، حضرت حاجی ملتان سے دہلی میں آکر سکونت پذیر ہوگئے، مولانا عبد اللہ الہ داد شیخ جمالی کے استاد اور عہد سکندری کے سب سے ممتاز عالم تھے، بہلول لودی کے زمانے میں ملتان سے دہلی آگئے تھے، تیسرے شیخ سماء الدین کے چھوٹے صاحبزادے تھے، اور آخری کی شخصیت کا تعین نہیں ہو سکا ہے،

شیخ سماء الدین کا مقبرہ حوض شمسی[3] پر ہے، ان کے پہلو میں ان کے خاندان کے بعض دوسرے افراد بھی مدفون ہیں، سیر العارفین[4] سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار نے ان کے مدفن کا نشان مقرر کیا تھا، شیخ سماء الدین کے خلیفہ شیخ عبد الغفور کو حضرت جمال ہانسوی[5] نے بشارت دی کہ ان کے پیر و مرشد کو حضرت چہار یار رسول کے ساتھ جگہ ملی ہے، شیخ جمال نے شیخ کے مرثیہ میں اس کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے:

[1] ج ۲ ص ۶۷، [2] سیر العارفین ورق ۱۲۰ ب [3] ایضاً و اخبار الاخیار ص ۲۱۱ [4] ایضاً [5] ایضاً

پنجم تراشمر و بنی در چہار یار　　از جان و دل قبول نمودند ہر چہار

سیرت شیخ سماء الدین اکابر اولیاء میں تھے، ان کی حیات کا ہر نفس عبادت و طلب رضائے الٰہی میں صرف ہوتا تھا، ان کا باقاعدہ دستور تھا جس میں تبدیلی مشکل سے ہوتی، سیر العارفین[1] میں ہے کہ آدھی رات کو تجدید وضو کر کے نماز شروع کرتے اور تقریباً ایک پہر نوافل میں گزارتے، نصف پہر ورد میں صرف ہوتا، پھر صبح صادق تک مراقبہ میں رہتے، اس کے بعد فجر کی سنت موکدہ ادا کرتے اور نماز فجر باجماعت پڑھتے، نماز چاشت کے بعد کچھ مراقبہ کرتے اور پھر درس و تدریس میں مشغول ہو جاتے، تفسیر حدیث، اور اصول فقہ کا خاص طور پر درس دیتے جس میں کبھی کبھی علما تک شریک ہوتے، اس کے بعد مریدوں کی تربیت کی طرف متوجہ ہوتے، اور ہر مرید کی اصلاح فرماتے، عصر تک یہ کام جاری رہتا، پھر مغرب تک استغراق کا عالم رہتا، نماز مغرب و اوابین ادا کر کے مراقبہ میں چلے جاتے، نماز عشاء سے فارغ ہو کر مسجد سے گھر آتے، کھانا کھاتے، کچھ دیر استراحت فرماتے مگر ذکر جاری رہتا، اس طرح صبح سے شام تک سوائے عبادت کے دوسرا شغل ہی نہ رہتا تھا،

شیخ سماء الدین اخلاق نبوی کا پیکر تھے، ہر مرید کے ساتھ نہایت شفقت کا برتاؤ کرتے، اس میں امیر غریب اور اپنے پرائے میں فرق نہ کرتے، فاسق سے فاسق پر ایک نظر ڈالتے، تو وہ راہ راست پر آجاتا، ان کی نظر میں عجب تاثیر تھی، ہر وقت نہایت ہی شفقت و ملائمت فرماتے، ایک بار بہلول لودی کے فرمان نویس کا لڑکا شیخ محمد جو فسق و فجور میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا، حضرت شیخ کی خدمت[2] میں حاضر ہوا، شیخ جمالی جو اس سے بے حد نفرت رکھتے تھے، اس وقت موجود تھے، انھوں نے اسے مجلس سے نکالنا چاہا، مگر شیخ سماء الدین نے یہ بیت پڑھی،

ہمہ کس طالب یار اند چہ ہشیار چہ مست　　ہمہ جا خانۂ عشق است چہ مسجد چہ کنشت

[1] ورق ۱۲۲ [2] ورق ۱۲۰

اس کو سنتے ہی شیخ محمد پر عجیب کیفیت طاری ہوئی، اس نے توبہ کی اور اہل اللہ میں شامل ہو گیا،

شیخ موصوف معدن حلم و حیا تھے، کسی کی خجالت کو برداشت نہ کر سکتے تھے، خود تکلیف اٹھا لیتے تھے، نفس پر جبر کر کے خلاف طبیعت چیزوں کا تحمل کرتے تھے، ایک بار باورچی[1] نے کھچڑی نہایت بدمزہ پکائی، حسن اتفاق سے شیخ جمالی بھی آگئے، شیخ نے ان کی تواضع کی مگر یہ بھی کہا:

"در خوردن ایں طعام جزوے ریاض در کار است"

شیخ جمالی نے ایک لقمہ اٹھایا تو اسے نہایت بدمزہ پایا، "طعام چوں طبع طامعان خام و روغن آں مثل روزگار مہجوران تلخ"۔ مگر حضرت شیخ نہایت مزے سے تناول فرما رہے تھے، شیخ جمالی نے باورچی کو ڈانٹا اور برا بھلا کہا، حضرت نے تبسم فرمایا اور کہا:

میں نے ابتدا ہی میں ریاضت کی بابت اشارہ کیا تھا، مگر منظور کرنے کے بعد آپ نے باورچی کو ڈانٹا"

ایک موقع پر قاضی بدر الدین[2] حاکم بیانہ نے نماز پڑھائی، مگر نماز میں غیر معمولی جلدی کی کہ قرأت میں خلل واقع ہو گیا، شیخ جمالی نماز میں موجود تھے، ان سے رہا نہ گیا، قاضی کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

"مخدوم! عجب مردے صف شکن بودہ، سمند سرعت را در میدان قرأت چناں تیز تاختی کہ صلوٰۃ مقتدیان را بہ سیف لسان نیز انداختی"

ان الفاظ کو سنتے ہی شیخ سماء الدین کا چہرہ متغیر ہو گیا، اس وقت تو کچھ نہ کہا، دوسرے دن شیخ جمالی کو تنبیہ کی اور انھوں نے قاضی بدر الدین سے معذرت چاہی۔

شیخ سماء الدین جود و سخا کے مجسمہ تھے، جب دولت ان کے پاس بھی نہ پھٹکتی تھی۔ جو کچھ ملتا تھا فقرا و مستحقین میں تقسیم کر دیتے، ایک بار[3] ملتان میں سخت قحط پڑا، شیخ نے اپنا سارا سامان محتاجوں میں

لہ سیر العارفین ورق ۱۲۱ سے ایضاً ورق ۱۲۲ ب سے ایضاً ورق ۱۲۰ ب

تقسیم کر دیا، فتوح وغیرہ کے سلسلے سے جو کچھ آتا اس میں سے کچھ اپنے ذاتی مصرف میں نہ لاتے، اکثر ایسا ہوتا کہ سب کچھ تقسیم کرنے کے بعد محتاجوں کا سلسلہ جاری رہتا اور قرض تک کی نوبت آجاتی۔ سیر العارفین میں اس طرح کے کئی واقعے درج ہیں،

شیخ اخلاص کا پیکر تھے، سچ بات کہنے میں کسی قسم کا باک نہ کرتے، مصلحت بینی کو بڑا عیب جانتے تھے، اگر چاہتے تو سلطان حسین شرقی کے نہایت مقرب ہو جاتے، احمد جلوانی آتا ہے، دعا کا طالب ہوتا ہے[1] مگر شیخ اس کو جس طرح کا جواب دیتے ہیں اسے خیال کر کے سخت حیرت ہوتی ہے، احمد جلوانی حاکم وقت ہونے کے علاوہ سخت مغلوب الغیظ تھا، مگر شیخ حق بات کے خلاف کچھ بھی سننے کو تیار نہ تھے، حسین شرقی کی چیرہ دستیاں ان کے نزدیک غلط تھیں، اس لیے نہیں کہ انھیں بہلول لودی سے کسی ذاتی نفع کی توقع تھی، بلکہ محض اس وجہ سے کہ ان کے نزدیک وہ حق پر تھا، شیخ جب دہلی آئے تو سلطان کے ساتھ ان کا وہی رویہ رہا، وہ خود کبھی سلطان کے ہاں نہ جاتے بلکہ سلطان خود ان کے پاس حاضر ہوتا، ایک بار اس کے حاضر آستانہ ہونے کے موقع پر شیخ نے جس[2] طرح اس کو نصیحت فرمائی وہ ان ہی کا حصہ ہے، مرنے کے بعد[3] بھی اس کی قبر پر بغرض فاتحہ خوانی تشریف لے گئے، اس وقت بھی اسی طرح کے جذبات کا اظہار فرمایا، ایسے خلوص کا حامل، اخلاق نبوی کا پیکر ہی ہو سکتا ہے،

اولاد شیخ سماء الدین کی کم از کم تین اولادوں کا پتہ چلتا ہے، دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی، بڑے صاحبزادے شیخ عبد اللہ بیابانی تھے[4]، جو تصوف میں بڑا درجہ رکھتے تھے، جب شادی ہونے سے عبادت میں خلل واقع ہوا تو بیوی سے علٰحدگی اختیار کر لی، اپنی ہستی کو اس قدر کھو دیا تھا کہ جو کچھ کہتے صیغۂ غائب میں کہتے، قیام دہلی کے دوران میں حضرت نظام الدین اولیا کی خانقاہ میں مصروف عبادت رہتے، ہر نماز کے لیے غسل کرتے اور کپڑے دھوتے، ایک بار بادشاہ نے کچھ لوگوں کو قید کیا،

لہ سیر العارفین ورق ۱۲۳ لہ ایضاً ورق ۱۲۳-۱۲۴ سہ مخزن افغانی ص ۱۸۲ کہ اخبار الاخیار ص ۲۱۲-۲۱۳

اس میں سادات بھی تھے، شیخ نے انکی رہائی کی کوشش کی، مگر بادشاہ راضی نہ ہوا، اس لیے شیخ نے وہاں کا قیام ترک کر دیا، اور مندو چلے گئے، وہاں کے سلطان نے کچھ پیشکش کرنا چاہی مگر قبول نہ کیا، صرف ایک گاؤں میں قیام کرنے کی اجازت چاہی، شیخ جمالی کو ان سے بیحد[1] محبت تھی، بظاہر دونوں ہم عمر تھے، شیخ نے لکھا ہے کہ شیخ عبد اللہ علم ظاہری و باطنی میں ممتاز و مستثنیٰ تھے، کسی درویش نے مجاہدہ و ریاضت اور تجرد و توکل میں وہ درجہ نہ پایا جو شیخ کے حصہ میں آیا تھا، ۴۰ سال سے زیادہ جنگل بیابان میں گذارے، سوائے درخت کے سایہ کے کوئی جائے پناہ نہ تھی، جنگل کے پھل پھول پر گذر اوقات تھی، ہر روز ایک ختم کلام اللہ کرتے، شیخ سماء الدین آخر وقت میں بیٹے کو دیکھنے کے لیے بے چین تھے، مگر یہ داغ حسرت ساتھ لے گئے، خزینۃ الاصفیا، میں انتقال کی تاریخ ۹۳۶ھ[2] دی ہے، اور مؤلف نے "بیا بانی ولی خوبنا" اور "فیض الہا" سے تاریخ وفات نکالی ہے، مندو کے کسی قریہ میں مدفون ہیں، شیخ جمالی نے ان کی وفات پر دو پر درد مرثیے لکھے ہیں، ایک بند درج ذیل ہے[3]:-

یعنی از روے زمیں مطلع انوار برفت — قرۃ العین سماء الحق ازیں دار برفت

در بیابان بلا ما ہمہ سرگردانیم — پیشوائے دل و دیں قافلہ سالار برفت

دل برآیم ز جان جان بدرآریم ز تن — دل و جاں راچہ تواں کرد کہ دلدار برفت

جگرم پارہ شد و سینہ پر افگار بماند — سیل خون دمبدم از دیدہ برخسار برفت

کوہ را طاقتِ آں نیست کہ ایں بار کشد — انچہ بر جانِ من خستہ دریں بار برفت

نی نخلد خار غم اندر جگر و سینہ از آنک — گل رعنائے من از عرصۂ گلزار برفت

باز جنبید ندانم ز کجا سیلِ فنا — کہ از و خانۂ دینداری ز دیوار برفت

غم دل با کہ تواں گفت کہ از روے زمین — بقضائے فلک آں محرم اسرار برفت

---

[1] سیر العارفین ورق ۱۰۲ [2] بعید ج ۲ ص ۸۲ [3] اورنٹیل کالج میگزین بابت نومبر ۱۹۳۳ء ص ۱۵۵

طالبان از غم او جامۂ جاں چاک زدند

خویش را سینہ در آتش زدہ برخاک زدند

دوسرے صاحبزادے سلطان المحققین شیخ نصیر الدین[1] تھے: وہ ظاہر و باطن میں ہم عصروں میں ممتاز اور حسن صورت و سیرت سے آراستہ و پیراستہ تھے، سنت رسول اللہ کی پیروی میں بڑا اہتمام اور اسکی تاکید کرتے، والد کی وفات کے وقت موجود تھے، شیخ جمالی نے چند واقعات ان کے حوالے سے بیان کیے ہیں۔

تاریخ مخزن افغانی[2] میں شیخ جمالی کو شیخ سماء الدین کا خالو بتایا گیا ہے، صولت افغانی[3] میں بھی اسی کی پیروی کی گئی ہے، مگر بعض تذکروں[4] میں شیخ موصوف کو شیخ جمالی کا خالو قرار دیا گیا ہے، اور چونکہ یہ رشتہ پہلے رشتہ کے منافی نہیں ہے، اس لیے شیخ سماء الدین کی دختر نیک اختر کا شیخ جمالی کے حبالۂ عقد میں ہونا بعید از قیاس نہیں، شیخ جمالی نے صرف "شرف قرابتی[5]" کا فقرہ درج کیا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان سے مطلق پردہ نہیں ہوتا تھا، ایک مرتبہ شیخ موصوف نے شیخ جمالی کو "نور عینی[6]" سے یاد کیا ہے، آخر الذکر کی سیاحت[7] بلاد اسلامی پر جانے کے بعد شیخ سماء الدین کو جس قدر بے چینی تھی، اس سے بھی شیخ جمالی کا عزیز قریب ہونا بخوبی ظاہر ہے۔

شیخ کی اولاد کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا تھا، چنانچہ اخبار الاخیار[8] میں ہے کہ ان کی اولاد کے چند افراد ان ہی کے پاس مدفون ہیں،

مرید و شاگرد

شیخ کے مریدوں میں حسب ذیل حضرات کا پتہ چلتا ہے:

شیخ عبد الشکور و شیخ عبد الغفور[9]، یہ دونوں شیخ سماء الدین کے پیر و مرشد شیخ کبیر الدین اسمٰعیل کے

---

[1] ملاحظہ ہو سیر العارفین ورق ۱۲۶ ب [2] ص ۱۸۲ [3] ص ۱۳۵، تاریخ مخزن افغانی کا ترجمہ سمجھنا چاہیے، جس میں چند باب کا اضافہ ہے [4] ملاحظہ ہو ریاض الشعراء ورق ۸۰ [5] سیر العارفین ورق ۱۲۱، [6] ایضاً ورق ۱۲۶ [7] ایضاً [8] ص ۲۱۱ [9] سیر العارفین ورق ۱۱۸، فرشتہ ج ۲ ص ۴۱۸

صاحبزادے تھے، دونوں بیٹے باپ کو بیحد عزیز تھے، شیخ جمالی نے دونوں کو دیکھا تھا، اور انھیں صاحب حال واہل کمال، حافظ کلام اللہ اور ظاہر و باطن سے آراستہ پایا تھا، دونوں بزرگ حسن صورت و سیرت کے پیکر تھے، گویا جبرئیل و میکائیل نے آدمی کی شکل اختیار کر لی تھی، دونوں شیخ سماء الدین سے سلوک و معرفت کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔

مولانا عطاء اللہ[1]۔ انھوں نے شیخ جمالی سے اپنے پیر شیخ سماء الدین کے قیام ناگور کا ایک واقعہ بیان کیا تھا۔

شیخ لادن[2]۔ ان کا نام شیخ عبد الغفور تھا، شیخ جمالی کے ہم سبق تھے، انھوں نے مولانا عبد اللہ تلنبی سے علوم ظاہری حاصل کیے تھے، اور سلوک کی تعلیم شیخ سماء الدین سے پائی، اور ان دونوں میں غیر معمولی امتیاز حاصل کیا، ان کے شیخ نے انھیں اپنے گھر کا چراغ کہا تھا، مرشد کو بے حد عزیز تھے، اور برابر ان کی خدمت میں حاضر رہے، شیخ موصوف کے خلیفہ بھی ہوئے، شیخ جمالی نے بہت سے واقعات ان کے حوالے سے قلم بند کیے ہیں۔

شیخ ادھن دہلوی[3]۔ ان کا نام شیخ زین العابدین تھا، مولانا عبد الحق محدث دہلوی کے جد مادری یعنی نانا تھے، عام طور پر "شیخ دانشمند کامل" کے نام سے موسوم تھے، شیخ لادن اور شیخ جمالی کی طرح علوم ظاہری کی تکمیل مولانا عبد اللہ سے کی اور علوم باطنی کی شیخ سماء الدین سے، بڑے پرہیز گار، اور خشوع و انکسار میں اپنی آپ نظیر تھے، حضرت محدث کے والد فرماتے تھے کہ میں نے کسی شخص کو ایسا نہیں دیکھا جس کا ظاہر و باطن اس درجہ یکساں ہو، حلیہ نہایت نورانی تھا، اکثر روزہ رکھتے، ابراہیم لودی نے حجاب خاص مقرر کرنا چاہا، مگر انھوں نے قبول نہیں کیا، ۹۳۴ھ میں انتقال فرمایا، ان کا مقبرہ حوض شمسی کے مغرب میں واقع ہے۔

---

[1] سیرالعارفین ورق ۳۰ب [2] ایضاً ورق ۲۷ و ۱۳۰ وغیرہ [3] اخبار الاخیار ص ۲۲۴ و ۲۲۵

شیخ جمالی[1]۔ ان کا نام جلال خان یا حامد بن فضل اللہ تھا، دہلی کے رہنے والے اور خاندان کنبوہ کے ممتاز فرد تھے، مولانا عبد اللہ تلنبی کے شاگرد تھے، حضرت شیخ سماء الدین کے قیام رنتھمبور کے دوران میں بیعت ہوئے، اور وفات تک ان کی خدمت میں رہے، لیکن درمیان میں چند سال بلاد اسلامی کی سیاحت میں گذارے، مصر، دمیاط[2]، مغرب، شام، عراق، عرب و عجم اور ایران وغیرہ کی سیاحت کی، ایران میں مازندران، گیلان، تبریز، خراسان، تربت، شیراز، سبزوار، ہرات وغیرہ تمام مشہور مقامات کی سیر کی، سیاحت کے دوران میں اکابر علما و مشائخ سے بھی ملاقات کی، اور بزرگان دین کے مزارات پر حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کیے، حج کی سعادت کے بعد جب ہندوستان واپس ہوئے تو سلطان سکندر لودی نے ان کو اپنا خاص مصاحب بنا لیا، چنانچہ آخر وقت تک اس کے انیس و جلیس رہے، ابراہیم لودی سے ان کی نہ بن سکی، اس لیے بابر سے منسلک ہو گئے، اور اس کی مدح میں زوردار قصائد نظم کیے، ہمایوں نے بھی شیخ سے وہی طریقہ قائم رکھا، متعدد قصائد کے علاوہ شیخ نے اپنی مشہور تصنیف سیر العارفین بھی اسی کے نام معنون کی، ان کے دو صاحبزادے تھے، ایک حیاتی[3] جو سلیم شاہ کے خاص مقربین میں تھے، انھوں نے بیحد موزون طبیعت پائی تھی، اور شعراء کے بڑے قدر دان تھے، ولایت سے آنے والوں کے لیے بڑی جائے پناہ ان کی ذات تھی، ۳۶ سال کی عمر میں ۹۵۹ھ میں دفعۃً انتقال کیا، شیخ جمالی کے بڑے صاحبزادے شیخ گدائی[4] تھے، جن کو اکبر کے عہد میں بڑا عروج حاصل ہوا، یہ سلام و کورنش سے آزاد تھے، اور بڑے بڑے علماء و سادات پر ان کو تفوق حاصل تھا، بیرم خان پر ان کا بیحد اثر تھا، اس لیے خیال ہوتا ہے کہ اس کی بغاوت میں شیخ کا بھی ہاتھ تھا، اکبر کو

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۲۷ - ۲۲۹۔ میں نے ایک تفصیلی مقالہ اسی عنوان سے لکھا ہے جو اردو ادب میں عنقریب شائع ہوگا۔

[2] ملاحظہ ہو سیر العارفین ورق ۱۴اب، ۱۵، ۲۷، ۲۸، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۶۶، ۶۷، ۲۰، و اخبار الاخیار ص ۲۲۸

[3] اخبار الاخیار ص ۲۲۸ [4] ایضاً ص ۲۲۹

بعد میں شیخ سے کد ہوگئی، اور ان کے نام بعض فرمان بھی لکھے گئے، ان کی وفات ۹۲۶ھ میں ہوئی۔

جمالی صوفی و درویش ہونے کے علاوہ بہت اعلیٰ درجہ کے فارسی کے شاعر بھی تھے، اور غالباً اس لحاظ سے وہ نہ صرف اپنے ہم عصروں میں سب سے ممتاز تھے، بلکہ امیر خسرو کے بعد ہندوستانی شاعروں میں سب سے زیادہ قابل توجہ ہیں، ان کا دیوان خود ان کی زندگی ہی میں مدون ہو چکا تھا، خوش قسمتی سے اس کے دو نسخے[1] ہندوستان میں موجود ہیں، اس کے علاوہ دو مثنویاں بھی ان کی یادگار ہیں، اگرچہ جامی سے عمر میں بہت چھوٹے تھے، مگر انھوں نے شیخ کی بڑی قدر و منزلت کی، بعض واقعات سے پتہ چل رہا ہے کہ ان کی شاعری ایران میں مقبول ہو چکی تھی، سیر العارفین صوفیہ کا تذکرہ ہے، جو ۱۴ مشائخ کے حالات پر مشتمل ہے، ۹۴۲ھ میں عہد ہمایونی میں وفات پائی، "خسرو ہند بودہ" سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔

شیخ جمالی اپنے پیر شیخ سماء الدین کو بے حد عزیز تھے، انھوں نے پیر کی مدح میں متعدد قصائد لکھے ہیں، وفات پر ایک پر درد مرثیہ بھی نظم کیا[2] جس کے چند ابیات درج ذیل ہیں:

اے دیدہ خون بریز کہ دلدار غائب است   یعنی جمال آن مہ رخسار غائب است

اے ظلمت ستم رخ آفاق را بپوش   کاں آفتاب عالم انوار غائب است

شیخے کہ سر حق ز لبش می شنود خلق   اکنون میان عالم اسرار غائب است

در غار غم روید کہ آں یار غار دین   ہمچو نبی کنون بدل غار غائب است

زاں جان ہمی کنیم کہ جانان نہفت روئے   زان غم ہمی خوریم کہ غمخوار غائب است

انوار آں جمال بہ معنی محیط ماست   گر صورتش ز دیدۂ خونبار غائب است

یارب چہ حالت است کہ امروز در جہان   صبر و قرار از دل ابرار غائب است

---

[1] ایک رامپور رضا لائبریری میں، دوسرا حبیب الرحمٰن خان شیروانی مرحوم کے کتب خانے میں۔

[2] اورنٹیل کالج میگزین بابت نومبر ۳۳ء ص ۱۵۰۔

یعنی سماء دولت و دین زیر خاک شد

زین غم ہزار جامۂ اسلام چاک شد

تصانیف شیخ سماء الدین کی مصنفات میں صرف دو کا پتہ چلا ہے،

(۱) حواشی لمعات شیخ عراقی،

(۲) رسالہ مفتاح الاسرار۔ تصوف پر ایک رسالہ ہے جس کے بعض حصے رسائل شیخ عزیز نسفی سے ماخوذ ہیں۔ اخبار الاخیار (ص ۲۱۱) میں اس کا کچھ اقتباس درج ہے، ان کے خیالات سے روشناس ہونے کی غرض سے چند سطریں درج ذیل ہیں:

بدانکہ در معنی انتہائے انسان اہل شریعت و اہل حکمت و اہل وحدت اختلاف دارند۔ اہل شریعت میگویند کہ حق ارواح را پیش از اجساد بچندین ہزار سال بیافرید و ہر یکے را مقامے معین گردانید، بازگشت او بدان مقام خواہد بود وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ، یعنی روح ہر کہ در مقام ایمان مفارقت کند بازگشت او بہ آسمان اول خواہد بود، و روح ہر کہ در مقام عبادت مفارقت کند بازگشت او بہ آسمان دوم خواہد بود و روح ہر کہ در مقام زہادت مفارقت کند بازگشت او بہ آسمان سوم خواہد بود و روح ہر کہ در مقام معرفت مفارقت کند بازگشت او بہ آسمان چہارم خواہد بود و روح ہر کہ در مقام ولایت مفارقت کند بازگشت او بہ آسمان پنجم خواہد بود و روح ہر کہ در مقام نبوت مفارقت کند بازگشت او بہ آسمان ششم بود و روح ہر کہ در مقام رسالت مفارقت کند بازگشت او بہ آسمان ہفتم خواہد بود و روح ہر کہ در مقام اولوالعزمی مفارقت کند بازگشت او بہ کرسی خواہد بود و روح پیغمبر کہ در مقام ختمیت مفارقت کردہ است بازگشت او عرش است، ہر یکے ازاں مقام کہ نزول می کند باز بہ ہماں مقام عروج می کند و دائرہ خود تمام می کند۔۔۔ واما آنکہ بہ مقام ایمان نہ رسد بازگشت او بہ آسمان نہ خواہد بود، وبداں کہ گفتہ اند کہ این مراتب خلقی اند نہ کسبی و در خلق خدائے تعالیٰ تبدیل نیست، دین حق و دین قیم این است، و اگر این مراتب کسبی بودندے ممکن بودے کہ ہر کسے بکسب از مقام اول خود در گذشتے و بالاتر رفتے۔"

اُردو شاعری اور سیاست

از جناب کلب علی خاں صاحب رامپوری

(۲)

ولادت ۱۱۳۵ھ وفات ۱۲۲۵ھ
عہد ۱۱۵۲ھ تا ۱۱۸۴ھ

میرؔ تخلص، محمد تقی نام، باپ کا نام محمد علی، اور خطاب عرف کردۂ مرشد علی متقی تھا، عمر کی نوّے بہاریں اس عظیم المرتبت شاعر نے دیکھیں، آگرہ جو قدیمی دار السلطنت رہ چکا تھا، میرؔ کی پیدائش یہیں ہوئی، میرؔ نسب میں اپنے کو بنی فاطمہ ظاہر کرتے ہیں، باپ پیری مریدی کرتے تھے، اراکین سلطنت بھی ان کے معتقدین مین تھے، اس لیے دس گیارہ سال کی عمر تک نہایت ناز و نعم مین پرورش پائی، باپ کے مرنے پر آگرہ مین جب کوئی روزگار نہ ملا تو کمسنی ہی مین بسلسلہ تلاش معاش دلی کا رخ کیا، (۱۱۴۷ھ) محمد شاہ کی تخت نشینی کو سترہ سال ہو چکے تھے، اور وہ ملک کی تباہی سے بے نیاز ہو کر عیش و عشرت مین مشغول تھا، ابھی تک تخت طاؤس تک دشمنون کے قدم نہ پہنچے تھے، اور دلی عام تباہی سے محفوظ تھی، امراء شاہ وقت سے عیش کوشی مین کم نہ تھے، ہر گلی، ہر باغ، ہر قطعہ زمین دہلی رشکِ ارم بنا ہوا تھا، اور جنس لطیف کے سوا امراء ان شیرین ادا بھی محفلوں کی زینت بنے ہوئے تھے، میرؔ نے چل پھر کر سیر کی، امیر الامراء کی بارگاہ سے ایک روپیہ یومیہ وظیفہ مقرر ہو گیا، اور میرؔ بے نیاز ہو کر وطن لوٹ گئے، دلی کی یہ عیش پرستی قدرت کو ناگوار تھی، اس لیے نادر کو مسلط کیا گیا، اور قتل کر کے پورا شہر لوٹا گیا، تخت طاؤس ایران کے نصیب ہوا، امیر الامراء نواب سعادت علی خان بانی و والیِ اودھ کی رفاقت میں نادری فوج سے پانی پت کی جنگ مین ٹکرا کر زخمی ہوئے، اور تین دن بعد رحلت کر گئے، وظیفہ ختم

[۱] ... امیر الامراء ... منصور جنگ ... (۱۱۵۱ھ) در جنگ زخمی شدہ ... [illegible]
تاریخ محمدی ... ص ... [illegible]

بند ہو گیا، اب میرؔ پھر دہلی تلاش روزگار میں آ گئے، اور خان آرزو کے یہان جو میرؔ کے علاتی بھائی حافظ محمد حسن کے حقیقی ماموں تھے، قیام کر کے اکتساب علم کیا، شاعری کیطرف طبیعت رجوع ہوئی، تو چند دنوں مین مستند عوام و خواص قرار پائے، اسی زمانہ مین احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر حملہ کیا، اور ۱۱۷۱ھ میں دہلی نے دوبارہ تباہی کا منہ دیکھا، یہ واقعہ میرؔ کا چشم دیدہ ہے، سوداؔ اسی ہنگامہ مین عماد الملک کے ساتھ فرخ آباد جا کر مقیم ہو گئے، میرؔ نے استقامت دکھائی، احمد شاہ ابدالی نے ایک ماہ تک شہر کو مصیبت میں مبتلا رکھا، اور کچھ دنون کے بعد محمد شاہ کی دختر کو نکاح مین لیکر واپس چلا گیا، ۱۱۷۳ھ میں پھر مرہٹون اور شاہ ابدالی مین آویزش ہوئی، کچھ دنون دلی مرہٹون کے قبضہ میں رہی، اور انھون نے اتنی تباہی مچائی کہ[۱] دلی والون کا امن و اطمینان رخصت ہو گیا، ہر جمادی الآخر ۱۱۷۴ھ میں پانی پت مین مرہٹون نے شکست کھائی، اور شاہ ابدالی نے دہلی کا رخ کیا،[۲] اس بار تباہی پہلے سے بھی زیادہ ہوئی، مکانات لوٹے بھی گئے، اور جلائے بھی گئے، عوام اور خواص کو شاہ ابدالی کی فوج نے تین دن میں لوٹا، بدن کے کپڑے تک اتار لیے، مال کی دریافت کے سلسلہ میں جسم داغے گئے، غرض قیامت صغرا بپا تھی،[۳] کسی گھر مین نہ کھانے کو رہا، نہ پہننے کو رہا، ہزاروں آدمی اس مہلکہ مین دلی سے ترک وطن کر گئے، میرؔ اس تباہی سے پہلے ہی کمہیر[۴] پہنچ گئے تھے، یہاں وہ دس برس رہے، اور ۱۱۸۲ھ میں دلی لوٹے، ان کے اکثر اشعار دلی کی بربادی کا مرثیہ ہیں، سچ کہتے ہین ؛

[۱] دیوان خاص کی نقرئی چھت کو اتار لیا، اور ٹکسال میں بھیج دیا، قدم شریف اور حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ مین جو سامان سونے چاندی کا تھا وہ بھی لے لیا، تاریخ ہندوستان جلد ششم ص ۳۰۵ از مولوی ذکاء اللہ،

[۲] قریب یکماہ بر شہر سختی مصادرہ ماندہ، ذکر میر ص ۹، [۳] اسباب پوشش و قوت روزہ در خانہ کسے نماند ...... ہزاران خانہ سیاہ در زمین آن آتش ستیز باد اوغ دل جلا، وطن کردہ سر بصحرا نہ دند۔

[۴] فردائے عاشورہ قدم کشیدم و بہ کمہیر رسیدم ص ۹۱ ذکر میر،

دلی کے نہ تھے کوچے اوراق مصوّر تھے — جو شکل نظر آئی، تصویر نظر آئی

ہند میں ہو گئے برباد ہزاروں اس سال — شامتِ بخت یہ اے بارِ خدا کس کی ہے

ایک اور شعر میں دلی کی بربادی کا نقشہ کھینچا ہے ؎

اب شہر ہر طرف سے میدان ہو گیا ہے — پھیلا تھا اس طرح کا، کاہے کو یاں خرابا

دلی کی اقتصادی بدحالی کا کتنا درد انگیز بیان ہے

دلی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انھیں — تھا کل تلک دماغ جنھیں تاج و تخت کا

احمد شاہی ہنگامے میں جو دوست و احباب مارے گئے، ان کو یاد کر کے کہتے ہیں:

کیا کیا عزیز دوست ملے میرؔ خاک میں — نادان یاں کسو کا کسو کو بھی غم ہوا

اس بربادی کا اثر ہزاروں باغیرت اصحاب نے زیادہ محسوس کیا، بہت سے اصحاب علم و فن دلی کو خیرباد کہہ گئے، سوداؔ، قائمؔ وغیرہ اسی ہنگامے سے متاثر ہو کر ترک وطن کر گئے، میرؔ کا قلب دوستون کی جدائی سے بے قرار ہو گیا،

مجلسوں کی مجلسیں برہم ہوئیں — لوگ وے پل مارتے کیدھر گئے

تھے لب جو پر جو گرم دیدیار — سبزے کے سے رنگ فرگان تر گئے

خانوادے ہو گئے کیا کیا خراب — خانہ سازِ دین کیسے مر گئے

ایک مخمس میں شاہی لشکر کی تصویر کشی ہے، جس میں امراء، وزراء اور شاہ وقت بھی تنقید سے نہ بچ سکے، میرؔ کا شخصی کردار اتنا بلند تھا کہ اس نے بادشاہ کو بھی نہ چھوڑا،

جس کسو کو خدا کرے گم راہ — آوے لشکر میں رکھ امیدِ رفاہ

یاں نہ کوئی وزیر ہے نہ شاہ — جس کو دیکھو سو ہے بحال تباہ

طرفہ مردم ہوئے اکھٹے آہ

فوج میں جس کو دیکھو سو ہے اداس — بھوک سے عقل گم، نہیں ہیں حواس

بیچ کھایا ہے سب نے ساز و لباس — چیتھڑوں بن نہیں، کسو کے پاس

یعنی حاضر یراق ہے گی سپاہ

دیکھے میں نے مصاحبانِ شہ — نکلے سب بے حقیقت و بے تہ

ٹھہری آخر کو ان سے مت کچھ کہہ — رہ سکے ہے کسی طرح تو رہ

ورنہ لشکر سے جا خدا ہمراہ

قصہ کوتہ کہاں نہ رو گذرا — کون سی شکل میں نہ ہو گذرا

آبرو رفتہ رفتہ کھو گذرا — یا گذرنا تھا ظلم جو گذرا

اس پہ جس کو ہو قصہ بسم اللہ

ایک اور مخمس میں سرکاری عمال کی بدمعاشی و نظم حکومت پر گہری تنقید ہے، جس سے شاہ وقت کی پوزیشن واضح ہو جاتی ہے جو صرف نام کا شاہ رہ گیا تھا، نہ خزانہ تھا نہ سپاہ، اور جو ملازم تھے وہ تنخواہ سے بے نیاز، مختار سلطنت سے یہ گفتگو قابل ملاحظہ ہے ؎

مخمس در مذمت فرد و تخطی وکسے کہ برائے اجاری کردن فرد اصرار داشت

پھر جو اس فرد کا ہوا مذکور — کہنے لاگا کہ نائب دستور

جانتا ہے تمھیں کہ ہو مشہور — پر کہے ہے مجھے رکھو معذور

جاری کرنا ہے اس کا امر محال

آٹھ آنے ہیں شاہ پر بھاری — اس سے لوگوں ہی کی ہے اب خواری

آپ ہی تو یہ ہے گرفتاری — فوج ہے گی تو قحط کی ماری

کیونکر جس جا رہے وہاں تھا کال

عمدہ جو ہیں دونوں کو بھرتے ہیں   سو بھی اسباب گروی دھرتے ہیں

ہیں سپاہی جو بھوکے مرتے ہیں   لوہو پی پی کے ذیست کرتے ہیں

ایک تلوار بیچے ایک ہے ڈھال

بادشہ بھیک مانگتا آیا   روز روزینہ بند فرمایا

معتمد اپنا مجھ کو ٹھہرایا   سو بُرا ایچ پیچ میں کھلایا

جس کو دیکھو رکھے ہے مجھ سے ملال

اس کے اوپر ہے شہ تماشائی   اور چاہے ہے خرچ بالائی

ہر طرف پھیلی ہے یہ رسوائی   کل چنانچہ ہمیں نظر آئی

لال خیمے کے گرد دو سے پال

دینے کا جو کہیں ٹھکانا ہے   جو دو کر چاہیے دانا ہے

یا نہیں شہ کے گھر میں دانا ہو   کبھو ہوتا ہے سہل کھانا ہے

ورنہ بھوکے رہیں ہیں بیٹھے نڈھال

یہ نقشہ شاہ عالم کے لشکر کا ہے، جو گشتی شاہ تھا جس نے چاہا حسب مطلب آلۂ کار بنا لیا، اور پھر دھتکار دیا، آخر جب نواب نجیب الدولہ امیر الامرا کی علالت بڑھ گئی جو شاہ عالم کے نام پر دہلی میں حکومت کر رہا تھا، تو اس نے شاہ عالم کو لکھا کہ اب حکومت سنبھالیے، مجھ سے جو ہو سکا میں نے وہ کیا اور دہلی کو محفوظ رکھا، آخر شاہ عالم نے الہ آباد سے دہلی کا (مئی ۱۷۷۱ء) رخ کیا، اور فرخ آباد ایسے وقت پہنچا کہ نواب احمد خان میر بخشی ہند کا انتقال ہو چکا تھا، اس کے بیٹے سے خراج وصول کیا، مہاراجہ ناگر مل کے فرستادہ فرخ آباد پہنچے، اور بادشاہ سے عہد و پیمان ہوا، لیکن ان ہی دنوں میں

مہاراجہ سندھیا بادشاہ کو اپنے ساتھ دہلی (۲۵ دسمبر ۱۷۷۱ء) لے آیا، یہاں جو نقشہ لشکر شاہی کا دیکھا مذکورۂ بالا مخمس میں اسی کا بیان کیا ہے، اسی سلسلہ کا ایک اور مخمس ہے جس سے شاہی لشکر کی حیثیت واضح ہو جاتی ہے:

مخمس دیگر متضمن برہمین معانی گفتہ شد

مشکل اپنی ہوئی جو بود و باش   آئے لشکر میں ہم برائے تلاش

آن کریاں کی دیکھی طرفہ معاش   ہے لبِ ناں پہ سو جگہ پرخاش

نے دمِ آب ہے نہ چمچہ آش

مرنے کے مرتبہ میں ہیں احباب   جو شناسا ملا سو بے اسباب

تنگ دستی سے سب بحالِ خراب   جس کی ہے پال تو نہیں ہے طناب

جس کے ہے فرش تو نہیں ہے فراش

زندگانی ہوئی ہے سب تو وبال   کنجڑے جھینکے ہیں رہتے ہیں بقال

پوچھ کچھ مت سپاہیوں کا حال   ایک تلوار بیچے ہیں ایک ڈھال

بادشاہ و امیر سب قلاش

لال خیمہ جو ہے سپہر اساس   پالیں ہیں رنڈیوں کی ٹکے پاس

ہے زنا و شراب بے وسواس   رعب کریئے نہیں ہے قیاس

قصہ کوتاہ رئیس ہے عیاش

چار رُچّے ہیں مستعدِ کار   دس تلنگے جو ہوں تو ہے دربار

ہیں وضیع و شریف سارے خوار   لوٹ سے کچھ ہے گرمیٔ بازار

سو بھی قند سیاہ ہے یا ماش

میر نے سرمایہ دارون بھی نشتر چبھوئے ہیں، ایک شعر ملاحظہ ہو

ملے میر اب کے امیروں سے تو　　ہوئے ہیں فقیر ان کی دولت سے ہم

۱۱۸۰ھ تا ۱۱۹۰ھ

شاہ واقف نام تخلص واقف دہلوی تھے، میر حسن کی رائے ان کے کلام کے متعلق یہ ہے
کہ کلام میں بہت بلند پروازی پائی جاتی ہے، ہم جیسے بھی ان کے مغز کلام تک نہین پہنچ سکتے ہین، طرز کلام
ناصر علی اور جلال اسیر سے مشابہ ہے، اودھ مین مقیم ہوگئے تھے، شجاع الدولہ کے عہد (۱۱۶۵ھ تا ۱۱۸۸ھ)
مین نقش نویسی کی تہمت مین گرفتار ہوئے، اسی حالت مین ایک غزل کہی جس کا مطلع یادگار ہے ؎

دور آیا ہے کہ ہوں شاہ و گدا پہرے میں　　بے خطا پہرے میں اور اہل خطا پہرے میں

پوری غزل اسی رنگ مین کہی ہے، شاعر کی آزادہ روی کا اسی مطلع سے اندازہ ہو سکتا ہے، جس میں
شجاع الدولہ کے نظم حکومت پر تنقید ہے۔

ولادت ۱۱۳۵ھ وفات ۱۲۰۸ھ
عہد ۱۱۵۴ھ تا ۱۱۸۵ھ

قائم۔ محمد قائم، قیام الدین نام اور عرفیت، چاند پور وطن تھا، دہلی مین
ہوش سنبھالا اور رام پور کی سرزمین مین ۱۲۰۸ھ مین یہ آفتاب سخن
غروب ہوا، قائم کی زندگی آزادانہ گذری، شاہی توپخانہ مین داروغہ تھے، میر سوز بھی اسی زمرے میں تھے،
درد اور سودا سے فیض سخن پایا، جب دلی کی بربادی پیہم نہ برداشت کر سکے تو وطن کی طرف منہ موڑا،
اور گوشۂ عافیت مین زندگی گذارنے لگے، طبیعت فقر و تصوف کی طرف مائل ہوئی، آخر عمر تک اسی
رنگ مین گذاری، علمی شغف اور دینی ماحول تھا، اس لیے کچھ دنوں قضا کے فرائض بھی انجام دیے، ۱۱۸۳ھ
کے لگ بھگ نواب محمد یار خان برادر خورد نواب فیض اللہ خان والی رام پور کو شاعری کا شوق ہوا،
تو سودا کو دعوت استادی فرخ آبادی بھیجی، مگر وہ بلند نظر رکھتے تھے، اور اودھ جانے کی فکر مین تھے،
اس لیے یہ دعوت منظور نہ کی، اس وقت نظر انتخاب قائم پر پڑی، قائم ٹانڈہ کے نواح آنولہ مین آکر
نواب محمد یار خان امیر کے ملازم ہوگئے، کچھ دنوں بعد ان ہی کے توسط سے مصحفی بھی آکر حلقۂ شعرا مین

داخل ہوئے، شاہ عالم اس وقت الہ آباد میں تھے، جب نجیب الدولہ کی علالت کی خبر ملی تو الہ آباد سے روانہ
ہوکر ۱۸ ماہ رمضان ۱۱۸۵ھ کو دلی پہنچے، اور اپنے کو مرہٹون کے سپرد کر دیا، حسب ایما سے مہاراجہ
مادھوجی سیندھیا و تکوجی ہلکر ۱۰ شوال ۱۱۸۵ھ کو نواب ضابطہ خان امیر الامراء پسر نواب نجیب الدولہ
شاہ عالم نے مرہٹون پر فوج کشی کی، مرہٹون نے افغانون پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا، سیکڑون بستیان
لوٹ مار مین تباہ ہوئین، قائم اسی خطۂ روہیل کھنڈ کے باشندے تھے، جہان تباہی نازل ہوئی، وہ دلی کی
ئے دن کی بربادی سے گھبرا کر وطن مین پناہ گزین ہوئے تھے، اور نواب محمد یار خان کے دامن دولت
ے وابستہ ہوکر امن و اطمینان سے زندگی بسر کر رہے تھے، اس افراتفری مین نواب محمد یار خان امیر کی
محفل ادب برہم ہوگئی، مصحفی، نعیم، پروانہ، حیرت وغیرہ تمام شاعر آوارہ و منتشر ہوگئے، قائم اس تباہی پر چیخ
اٹھے، ان کا گھربار، مال و دولت، عزیز و اقربا اس حملہ مین تباہ ہوگئے تھے، قائم نے اس تمام تباہی کا ذمہ دار
شاہ عالم کو قرار دیا، اور شہر آشوب مین شاہ عالم اور اس کے پیشرو دون پر ایسی سخت سیاسی تنقید کی ہے
جس کی امید ہم کسی مورخ سے بھی نہین کر سکتے تھے، میر نے بھی شاہ عالم پر تنقید کی ہے، مگر پردے مین تقریع
کے ساتھ نہین، قائم نے کھلم کھلا تنقید کی ہے، جس سے شاعر کے کردار کی بلندی ظاہر ہوتی ہے، اس
مخمس کو پڑھ کر شاہ عالم کے اس حملہ سے پیدا شدہ تباہی کا اندازہ کیجئے، گو شاعر کا لہجہ زیادہ درشت
ہوگیا ہے، مگر جس نے اپنا گھربار لٹتا دیکھا ہو وہ قابلِ معافی ہے۔

مخمس

کیسا یہ شہ کہ ظلم پر اس کی نگاہ ہے　　ہاتھوں سے اسکے ایک جہاں دادخواہ ہے
یہ ایک آپ ساتھ مین شتری سپاہ ہے　　ناموسِ خلق سایہ مین اس کے تباہ ہے
شیطان کا یہ ظلّ ہے نہ ظلِّ الٰہ ہے

رہتی تھی ایک خلق کے جی مین یہ آرزو — ہووے گا بادشاہ بھی پھر ہند مین کبھو

تا زمرے وہی ہون سر نو وہی غنو — سو آسمان نے لا کے مسلط کیا سو تو

جس کے ستم سے چار طرف آہ آہ ہے

لشکر مین مرہٹہ کے جو کوئی رہے ہین بند — دیکھے ہین ان کے ظلم کے دست ب[1] اور بلند

اب نام فوج سن کے وہ اڑ جائین جون پرند — سچ ہے کہ جس کو مارے پہنچے کبھو گزند

رسی کو جانتا ہے کہ مار سیاہ ہے

سمجھا تو اس قدر بھی اے بھڑوی خبیث خر — کس پر ہوا یہ مظلمہ، تو ٹانکھوں پہ زر

ہر نیک و بد مین آدمی کرتا ہے یان نظر — تو تو خدا کے فضل سے اس باپ کا پسر[1]

جس کا خطاب شاہ حماقت پناہ ہے

دادا ترا جو لال کنور کا تھا مبتلا[2] — کہتا تھا کشتیوں کے ڈبونے کو برملا

اس خاندان مین حمق کا جاری ہے سلسلا — دول دوش کس طرح سے ہیں تیری تئین بھلا

آخر گدھا پن ان کا ترا عذر خواہ ہے

گردش کا آسمان کی جو ہو کوئی سبب — اہل زمین پہ آئے ہے ایک رنج یا تعب

ٹوٹے غضب یہ تجھ پہ، نہ اتنا کہیں غضب — مردوں کی جو کھڑنک سو پُر ہو نہ تاب لب

ایسی نہ باؤلی ہے نہ چشمہ نہ چاہ ہے

قبل ۱۱۹۰ھ | جھمن تخلص جھمن لال کایستھ دہلوی، اس کا بڑا بھائی نواب ضابطہ امیر الامرا کی سرکار

[1] عالمگیر ثانی (۱۱۶۷ھ تا ۱۱۷۳ھ ربیع الثانی) فقیر کی زیارت کے بہانے مہدی علی خاں کشمیری نے قتل کرایا، بے سر

دھڑ کو جمنا کے ریت پر پھینک دیا، کئی دن بعد لاش دفن ہوئی ص ۳۰۲ تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ۔

[2] جہاندار شاہ (۲۰ محرم ۱۱۲۴ھ از ذی الحجہ ۱۱۲۳ھ) ص ۱۱ تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ

مین منشی گری کی خدمت پر مامور تھا، خواجہ میر درد کا شاگرد اور وارستہ مزاج اور سادہ لوح تھا، ۱۱۹۰ھ
مین موجود تھا، ایک قطعہ مختار کی مذمت مین ہے جس سے آزادہ روی کا پتہ چلتا ہے۔

یہاں مختار جو باجا د آیا — برائے قتل خلق اللہ آیا

نہ تھے کچھ شاہ جی، نے شاہ جی جی — وہ نادر شاہ تھے یہ شاہ آیا

آخر ۱۱۳۰ھ تا ۱۱۸۵ھ | مرزا جعفر علی نام،[1] حسرت تخلص، دہلوی الاصل اور لکھنوی مسکن و مدفن نے بھی دہلی کی تباہی پر شہر آشوب لکھا ہے۔ عالمگیر ثانی کے قتل کے بعد دہلی کس مپرسی کی حالت مین تھی، نجیب الدولہ نے اپنے زور بازو سے حتی المقدور دہلی کو سنبھالنے کی کوشش کی، لیکن مخالف قوتیں برابر مرکز پر وار کر رہی تھیں، عماد الملک کا پارٹ اس دور مین بدترین نظر آتا ہے، اس نے اپنی پوری ذہانت دہلی کی بربادی مین صرف کر کے دہلی کو بھی برباد کیا اور خود بھی تباہ ہو گیا، شاہ عالم اسی کے خوف سے آزمائی قسمت کیلئے بنگال کی طرف چلا گیا تھا، مگر نہ دماغ میں صلاحیت تھی نہ بازوؤں مین طاقت، اس لیے نالائق امراء کا دست نگر بننا پڑا، احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں نے دہلی کی رہی سہی رونق کو بھی مٹا دیا، اسی زمانہ مین حسرت کا خاندان بھی دہلی سے ہجرت کر کے اودھ جا بسا، اس ابتری کا اندازہ شہر آشوب سے کیجئے، جس مین ہر ہر گوشہ پر گہری نظر ڈالی ہے، اور دل کا خون زبان قلم سے بہایا ہے، فوج، خزانہ، شاہی قلعہ کی ابتری کا بیان ایسا

[1] مرزا جعفر علی صاحب تخلص بحسرت بجمیع علوم فضل و کمال داشت خصوصاً در حکمت و فن شاعری چہ قصیدہ و غزل و رباعی و مثنوی و مخمس وغیرہ بادشاہ سخن و در خلق و اخلاق یکتائے روزگار و ہمیشہ بحضور بادشاہ زیر تمنا نور مرزا ماندہ قبل از وفات چہار سال ترک لباس ہم نمودہ بکنج قناعت نشستہ بود نام بخشیدہ مرشد مقصود علی داشتہ عرصہ دوازدہ سال می شود کہ از قضائے الٰہی انتقال فرمودہ .... در لکھنو متصل نخاس حویلی خود داشت ہموں حویلی مدفنش گردید، حق تعالیٰ بیامرزد بہرحال نقیر بسیار اشفاق می فرمود و نقیر ہم کمال داشت مگر دو دیوان تصنیف آن نزد فقیر بود۔ (از مجمع الانتخاب شاہ کمال مخطوطہ انجمن ترقی اردو)

المناک ہے کہ اس کو پڑھ کر دل تڑپ اٹھتا ہے، مرثیوں میں منظر نگاری اور مرقع کشی اسی قسم کے شہر آشوبوں سے حاصل کی گئی ہے، واقعات کی تفصیل ایسی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کوئی مورخ اپنے جادو نگار قلم سے حالات کا آئینہ پیش کر رہا ہے، اس مخمس کے چند بند یہ ہیں:

نہیں ہو مرثیے کم جہان آباد کا حال ۔۔۔ اگر لکھوں تو قلم نالہ زن ہونے کی مثال
دگر پڑھوں تو کہاں غم سے ہو سخن کی مجال ۔۔۔ اگرچہ چرخ ستم گر یہ اس پہ لایا زوال
پُر آب روؤے ہے رکھ منہ پہ ابر سے رومال

کیا غنیم کے لشکر نے یوں اسے ویران ۔۔۔ کہ جیسے باد خزان سے ہو حالتِ بستان
نہ سیلِ حادثہ لاوے کسی پہ یوں طوفان ۔۔۔ گذر گیا ستم افغاں کے ظلم سے جو وہان
فغان کہ ہو گیا یہ کشتِ سبز سب پامال

یہ دور آخری کے یار و سب نشانے ہیں ۔۔۔ جو رولتے تھے زر و مال خاک چھانے ہیں
جو بخشتے تھے گہر ان کے اب فسانے ہیں ۔۔۔ جہاں بھیں بلبلیں چند وں کے آشیانے ہیں
زقوم ہیں وہاں جس جا تھے سرو و گل کے نہال

رہے نہ آئینہ خانے، نہ دیکھنے والے ۔۔۔ پڑے ہیں آبلے سینوں میں پاؤں میں چھالے
نہیں وہ مست، وہ شیشے وہ جام پیمانے ۔۔۔ جو دل تھے شیشہ صفت توڑ چرخ نے ڈالے
پڑے ہیں خاک میں، نگینے جو کیجے غربال

جو بادشاہ وہاں کا رکھے تھا تخت اور تاج ۔۔۔ وہ اپنی قوت کو اطفال کی ہو امحتاج
خدائی تب جسے دیتا تھا سارا ہند خراج ۔۔۔ غنیم آن کے لیے اس سے اسکے شہر سے باج
وہ شکل ہے کہ کرے شیر کو شکار شغال

وہ شہ سپہر کہ انجم تمدا تھی جس کی سپاہ ۔۔۔ سو اس کی ڈیوڑھی کئی پیادے ہیں بحال تباہ

سو مارے فاقوں کے مرتے ہیں چھٹ نے تنخواہ ۔۔۔ کیے ہیں ہم کو ملے کیا خوراک خاص گواہ
سحر کو تب ہو جو پہنچے گرو ڑیا کتوال

جواہر اور خزانہ تو سب لٹا یک سر ۔۔۔ رہیں سو کس پہ یہ فرقے کے نوکر اور چاکر
رہا نہ مال بجز سنگ کوٹھون کے اندر ۔۔۔ جو چھت تھی چاندی کی، دیوان خاص میں پر زر
سو وہ وزیر نے کی خرچ بھیج کر ٹکسال

جو بختی آن کے مانگے سپاہیوں کی طلب ۔۔۔ تو ہے جواب کہ تھا صرف خاص مرف میں جب
تو کچھ نظر ہمیں پڑتا تھا فوج رکھنے کا ڈھب ۔۔۔ ہے بادشاہ فقط چتر و مورچھل پر اب
یہ جھاڑو ٹوکرا، کس کے کہوں ..... ڈال

کہاں سے دیجئے طلب اب کہاں خزینہ ہے ۔۔۔ کہ لال قلعہ میں کہہ تو کہاں دفینہ ہے
مرا بھی کہہ تو سہی، تو کہیں مہینہ ہے ۔۔۔ جو ملک تھا مرا سو سرکشوں نے چھینا ہے
جو لکھ دوں تجھ کو میں پروانہ مانے کب عمال

جو ہو سکے تو محلا تو ان کا دکھلا دے ۔۔۔ گذشتہ سال سے برطرفی ان کو دلوا دے
نہ مانے تو، تو مرے دستخطوں سے سمجھا دے ۔۔۔ جو پھیر رکھنے پڑیں گے سوار اور پیادے
تو ان سے کہیو کہ تم کو کیا ہے حال بحال

ہے میری ڈیوڑھی کے ناظر کو تیسرا فاقا ۔۔۔ جو محل دار ہے اس نے دیا ہے استعفا
مچایا ترکنی، کشمیرنی نے اب غوغا ۔۔۔ رہے بچارے سلاطین ان کا حال سو کیا
کسی کے مرنے کی نوبت کوئی پڑا ہے نڈھال

سنی یہ بختی سے حضرت کی تم نے اب تقریر ۔۔۔ اب آگے جو رہے سب اہلکار اور امیر
سو وہ بلا متصدی کو مانگے ہیں تحریر ۔۔۔ کہ مستحق جو بلائے تھے شب کو کتنے فقیر

سو آج خالی ہوا کس طرح سے بیت المال

امیروں کے تئیں یہ سعی اور تلاش رہے | کہ کون پالکی میانہ نہ دور باش رہے
کسی طرح سے ملے تو یہ نان و آش لیے | نہ گو قنات ہو ڈیوڑھی حرم کی فاش رہے

دیوان خانے میں ہو پیک دان اور رومال

سپاہی جو ہے بے چارے انکی یہ اوقات | کہ بیچ کر کڑی تختے وہ کھاتے تھے دن رات
ہے چھٹی چوب کی منڈی پہ انکی بھس پہ برات | سنے ہیں کوچ کے دن وہ سئیس کی سوبات

کر اس کے ہاتھ میں ہے تو بڑا بغل میں پال

جو گھر میں بیٹھے ہیں مفلس غریب بے نوکر | انھوں کا حال تو کیا کہیے کیسے ہیں مضطر
سوائے دانۂ اشک اور بھس نہ آوے نظر | اٹھے ہیں گھر سے وہ منہ کو چھپا کے شب کو اگر

پڑے ہے ٹکڑا کوئی منہ میں جا کریں جو سوال

کیا ہے قحط نے کس پہ ہر ایک روز ہلاک | کہ دانہ اشک کا دیکھیں تو چھانتے ہیں خاک
ہوا ہے بسکہ حلال اور حرام سب خوراک | لگیں گے آدمی کو کھانے آدمی بے باک

پڑے ہے قحط سے کوئی دن میں آدمی کا کال

جو موذی ان سے قوی تر تھے اور تھے لٹھ مرد | وہ چھیننے لگے ٹکڑے غریبوں کے بے درد
لگا کے ایک سپر تیغ اور تپنچہ کی فرد | گھروں میں کو ملیں دیں کچھ نہ چھوڑی خاک و گرد

پڑا انھوں کے ستم کا سبھوں پہ آکے وبال

جہان آباد نہ ہوتا کسی طرح سے تباہ | جو حسرت ایسے عمل کرتے ہم نہ نامہ سیاہ
پرائے مال پہ ناموس پہ رکھے جو نگاہ | تو ان پہ کیونکہ نہ پہنچے بھلا غضب اللہ

ہمارے آگئے یہ آگے ہمارے ہی اعمال

۱۱۹۴ھ تا ۱۷۸۳ | فدوی شاہ محسن صاحب نام، مجموعہ نغز کا بیان ہے کہ لاہوری الاصل تھے، آبرو یا تاجی کے شاگرد تھے، قریباً بیس سال گذرے کہ انتقال کیا، نواب نجیب الدولہ امیر الامرا کے عہد مختاری پر لطیف طنز اس شعر میں کیا ہے ؎

اور سب گرد یاں بچوڑی تھیں | فدوی ایک یہ نجیب گردی ہے

۱۱۹۱ھ | حسن میر غلام حسن خلف میر غلام حسین ضاحک دہلوی الاصل، اور فیض آباد کے ساکن ہیں، انگریزوں کی ریشہ دوانی اودھ کی ریاست میں شجاع الدولہ کے عہد سے شروع ہو گئی تھی، نواب آصف الدولہ کو امور سلطنت سے باپ جیسی دلچسپی نہ تھی، اس لیے شجاع الدولہ کی آنکھ بند ہوتے ہی پہلے فیض آباد سے ترک سکونت کرکے لکھنؤ بسایا، پھر دادی کی دولت پر نظر گئی، انگریزی حکومت کو اس سودے میں شریک کیا گیا، خواجہ سرا آفریں علی خان و جواہر علی خان جو بہو بیگم کے کار مختار تھے معتوب ہوئے، اور انگریزی فوج کی مدد سے فیض آباد سے ۱۱۹۱ھ میں گرفتار کر کے لکھنؤ لائے گئے، دونوں خواجہ سرا سودا اور میر حسن کے مربی تھے، جب کئی لاکھ روپیہ ان سے وصول کر لیا گیا تب رہائی ملی، اس قید اور رہائی پر حسن نے صرف اپنے جذبات ہی کا اظہار نہیں کیا ہے، بلکہ عوام کا نقطۂ نظر بھی واضح کیا ہے

اس قید فرنگ کی پڑی تھی گھاٹی | لی تھی ترے غم سے خلق نے کھٹواٹی
چھوٹا نہیں اس قید سے تو ایک نقط | گویا کہ خدا نے بند سب کی کاٹی

۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۶ء | جرأت[1] تخلص، قلندر بخش نام، نواب شجاع الدولہ کا آخری زمانہ دیکھے ہوئے تھے، آصف الدولہ

---

[1] عندلیب طبع گلشن سخن، وانی گل سرسبد گلزار معانی، سرخیل گروہ شعرا، مرزا قلندر بخش صاحب المتخلص بجرأت ولد یحییٰ خاں کہ ہنوز در شاہ جہان آباد کوچہ بنام والد بزرگوار یعنی یحییٰ خاں مشہور و معروفست احتیاج تکرار نیست غرض باعث نیرنگی زمانہ بعہد نواب شجاع الدولہ مرحوم و مغفور بہ لکھنؤ وارد ہستند و ہنوز ہماں جا قیام دارند انچہ فیض دریں فن شاعری حاصل شدہ صرف از فیض توجہات مرزا صاحب معز الیہ و بہر حال فقیر ایں چنیں اشفاق و عنایات ولی دارند کہ از تحریر

کی تخت نشینی پر داد و دہش تو زیادہ ہونے لگی لیکن وہ نام جو شجاع الدولہ نے مختلف معرکوں مین بہادری سے حاصل کیا تھا وہ آصف الدولہ کے بس کی بات نہین تھی، انگریزون کی ریشہ دوانیون سے آصف الدولہ کا لطف زیست باقی نہ رہا، وزارت نواب کا مسئلہ بھی انگریز ریزیڈنٹ لکھنؤ مین بیٹھکر طے کرتے تھے، آخر بقول مورخین آصف الدولہ گھٹ گھٹ کر مر گئے، ۱۲۱۲ھ مین آصف الدولہ کا متبنیٰ نواب وزیر علی خان تخت نشین ہوا، اس نے امور سلطنت میں دلچسپی لینی اور فوج کی تنظیم شروع کی، انگریزوں نے خطرہ محسوس کیا، چنانچہ رزیڈنٹ نے جو مختار مطلق تھا، نواب سعادت علی خان سے سازباز کرکے آدھی سلطنت اودھ اور زرخطیر حاصل کرکے ریاست نواب سعادت علی خان کو بخش دی، وزیر علی خان معزول ہو کر بنارس مین رہنے کا پابند کیا گیا، نواب سعادت علی خان اس خطرہ کو حدود سلطنت سے دور رکھنا چاہتے تھے، اس لیے کلکتہ بھیجنے کی تحریک کی، چنانچہ انگریزی ایجنٹ مقیم بنارس مسٹر چری نے نہایت ہی تحکمانہ انداز میں یہ پیام پہنچایا، وزیر علی خان کی غیرت و حمیت نے اس کو برداشت نہین کیا اور مسٹر چری کو قتل کرکے انگریزی اقتدار اور نواب سعادت علی خان کے مقابلہ مین آگیا، اور بڑی شجاعت سے مقابلہ کیا، مگر آخر میں دھوکے سے گرفتار کر لیا گیا، جرأت وزیر علی خان کی حریت و آزادی اور شجاعت و بہادری کی وجہ سے اس کو حکومت کا اہل اور نواب سعادت علی خان کو انگریزوں کا غلام سمجھتا تھا، اس لیے وزیر علی خان کا حامی اور سعادت علی خان کا مخالف تھا، جس کا اندازہ مندرجہ رباعی اور قطعہ سے ہوگا۔

رُباعی

سمجھیں نہ امیران کو اہل توقیر — انگریزوں کے ہاتھ یہ قفس میں ہیں اسیر
جو کچھ وہ پڑھائیں وہی منہ سے بولیں — بنگالے کی مینا ہیں یہ پورب کے امیر

(بقیہ حاشیہ ۱۳۵) بیرون دست و اوصاف کمالات ذات شریفش چہ شرح دہد بہ ہر کمال یعنی بعض شاعری ملک الشعراء و در علم موسیقی و نجوم و کتب و دوہرہ و پہیلی وغیرہ یکتائے روزگار مستند حق سبحانہ تعالیٰ سلمہٗ (دیباچہ مجمع الانتخاب شاہ کمال مخطوطہ کتبخانہ انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ)

قطعہ

زمین پر عجب نیر خوش دلی — درخشاں تھا رشک مہ آسماں
سو اس کو کیا داخلِ برجِ غم — کہ اس چرخ نے شعبدہ بازیاں
نہ کچھ رہنے پائی بہار اس کی آہ — عجب گل کھلا تھا یہ باغ جہاں
مقید ہوا وہ بقیدِ فرنگ — جو تھا صاحبِ فوج با عظم و شاں
شجاعت میں تھا جو کہ یکتائے دہر — سو اب کیا وہ لاچار ہے الاماں
ہوا سارے عالم میں ایک تہلکہ — بہ لغزش زمین آئی اور آسماں
جنھوں کے لیے کی تھی کوشش وہی — اسیری سے اس کے ہوئے شادماں
ہوا بے مکاں جب کہ ایسا امیر — تو غم نے کیا آ کے ہر دل میں مکاں
بہ فانوس زنداں ہوا وہ چراغ — جو تھا روشنی بخش ہندوستاں
وہ نواب حاتم وزیر علی — پڑا بس میں بے بس ہو جب ناگہاں
جو جرأت سے پوچھی میں تاریخ قید — کہا یہ ہو شور محشر عیاں

۱۲۱۲ھ | کمال[1] تخلص، شاہ کمال الدین عرف شاہ محمد کمال نام، عظیم آباد میں نشو و نما پائی، چودہ سال کی عمر میں باپ کی وفات کے بعد اودھ آئے اور شاہ عطاء کریم سے قصبہ سلون مین بیعت ہوئے، شاعری

[1] دیباچہ مجمع الانتخاب.... دراں ایام سن فقیر قریب چاردہ رسیدہ بود شوق سیاحت در سر ہجوم آورد چنانچہ برادر کلاں را بکفالت امورات مرجوعہ گذاشتہ وارد فیض آباد در ابتدائے ایام وزارت نواب آصف الدولہ مرحوم گردیدہ..... بعد انقضائے چہار سال وارد لکھنؤ گردیدہ..... ص ۱۹۰ تذکرہ مصحفی۔ شاہ کمال الدین حسین، کمال تخلص، وطن بزرگانش کڑہ مانکپور از چندے بحلقہ تلامذہ قلندر بخش جرأت داخل شدہ...... عمرش از سی متجاوز خواہد بود۔

میں قائم سے مشورۂ سخن کیا اور ان کے رام پور جانے پر ان کی ہدایت سے جرأت کے شاگرد ہوئے، شعر و سخن سے وابستگی جنون کی حد تک پہنچ گئی تھی، تمام شعرا کے دواوین جمع کیے تھے، اور اکثر شعرا، کی تقاویر بھی فراہم کی تھیں، جیسے سودا، میر، حسن، قائم وغیرہ، آصف الدولہ تک جب ان کے اس ذخیرہ کی اطلاع ہوئی، تو انھوں نے دواوین کی نقل کی خواہش کی، چنانچہ کمال نے ایک سو سے زائد دیوان دیدیئے، جب وہ نقل ہو کر آگئے تو مزید دواوین دیے، مگر اسی کے درمیان میں نواب کا انتقال ہوگیا، اور کمال کا سرمایۂ سخن جو نایاب تھا، ضائع ہوگیا، نواب آصف الدولہ کے مرنے پر یہ بھی انقلاب حکومت سے متاثر ہوئے، اور آخر حیدرآباد کی قدرِ سخن کھینچکر لے گئی، ۱۲۵۰ھ تک زندہ تھے، تذکرہ مجمع الانتخاب اور کلیات قلمی موجود ہیں۔ نواب وزیر علی خاں کی معزولی کو انھوں نے بہت زیادہ محسوس کیا، اور چونکہ ان کی گرفتاری مہاراجہ جے پور کے یہاں عمل میں آئی تھی، اس لیے کمال نے ایک مسدس میں مہاراجہ کے کردار پر بھی سخت تنقید کی ہے کہ پناہ دینے کے بعد حوالگی راجپوتوں کی شان سے بعید تھی،۔۔۔۔۔۔۔ ان کو انگریزی اقتدار سے سخت نفرت تھی، اسی بنا پر وہ حیدرآباد چلے گئے تھے، ایک محب وطن کی حیثیت سے ان کا کردار نہایت بلند نظر آتا ہے، ان کی نگاہیں وہ خطرات دیکھ رہی تھیں، جن کو ہندوستانی نواب اور راجہ محسوس نہیں کررہے تھے، اپنے دلی جذبات کا اظہار انھوں نے مسدس میں کیا ہے، شاہ عالم کی حیثیت، ان کی نظر میں شاہ شطرنج سے زیادہ نہ تھی اور مرہٹوں اور سکھوں کے مقامی حملوں کو وہ ملک کے حق میں مضر سمجھتے تھے، ان تمام خیالات کا اندازہ مسدس سے ہوتا ہے، جس کے بعض بند یہ ہیں

ہے سیتلا کا تو خر اے جے نگر کے راجہ — تجھ سے تو خوک بہتر اے جے نگر کے راجہ
ہے باپ تیرے سر پر اے جے نگر کے راجہ — تو نے دیا دیا گھر اے جے نگر کے راجہ

لعنت خدا کی تجھ پر اے جے نگر کے راجہ

تھا مرد جان کردہ تجھ پاس آہ آیا — نامرد جانتا تو واں جاتا رس کا۔۔۔۔

پر بیکسی پہ اس کی تو نے نہ رحم کھایا — قیدِ فرنگ میں اور لیکر کے زر پھنسایا

لعنت خدا کی تجھ پر اے جے نگر کے راجہ

شہر آشوب

زبسکہ ہے فلک دوں پرست ناہنجار — رہے ہے نت نجباوں کے درپئے آزار
ہر ایک شخص ہے ہاتھوں اسکے زار و نزار — عجب طرح سے گذرتا ہے اولیل و نہار

نہ چین جی کو کسی کے، نہ ایک جا ہے قرار

جو شخص اہل کمال اور ہیں گے اہلِ ہنر — وہ فکر قوت میں رہتے ہیں مضطر و ششدر
کہ تن کو جان کی، نہ جان کو ہے تن کی خبر — پھرا تا ہر کس و ناکس کے، ان کو ہے در در

وزیر و شاہ سے ملنا تھا جن کو ننگ و عار

نہ ان کو ملتی ہے طفل صغیر تک بھی خورش — نہ سر پہ ٹوپی ہے ثابت، بدن پہ نہ پوشش
جب ان پہ ہووے ہے کچھ کچھ گرسنگی کی خلش — تب اٹھ کے گھر سے جو کرتے ہیں رزق کی کوشش

تو کھا کے زک، وہ پھر آتا ہے گھر میں بس ناچار

جو تنگ ہو کسی عمدہ سے جا کرے ہیں سوال — تو منہ پھرا کے وہ بیٹھے ہے اور بہلا کر گال
لگے ہے کہنے وہ اپنا ہی تنگئ احوال — زباں پہ لاتا ہے اور یہ مثل وہیں فی الحال

کروں میں کیا کہ ہے یاں اک انار و صد بیمار

وزیر و شاہ جو ہیں ان کے ملک کا ہے یہ ڈھنگ — کہ اپنے بخت سے رہتی ہے ان کو نت اٹھ جنگ
وزیر تو ہیں گرفتار، یاں بقید فرنگ — سکھ اور مرہٹوں نے وہاں کیا ہے شاہ کو تنگ

نہیں رہا ہے کچھ اقبال انکا جز ادبار

جہاں تھے بجتے کے طبل اور بوق کے دستور | بجے ہے اب ہاں ناقوس اور آہ طنبور
دریغ ایسا ہو برباد خانۂ تیمور | کہ ریزہ چیں تھے سدا جس کے قیصر و فغفور

بگڑ گیا ہے زمانے کا ہائے کیا اطوار

وہی یہ شہر ہے اور ہے وہی یہ ہندوستاں | کہ جس کو رشکِ جہاں جانتی ہیں سب انساں
فرنگیوں کی سو کثرت سے ہو کے سب ویراں | نظر پڑے ہے بس اب صورتِ فرنگستان

نہیں سوار رہے یاں، سوائے ترک سوار

جہاں کہ نوبت و شہنائی جھانجھ کی تھی صدا | فرنگیوں کا ہے اس جا پہ ٹم ٹم اب بجتا
اسی سے سمجھو رہا سلطنت کا کیا رتبا | ہو جب کہ محل سراؤں میں گوروں کا پہرا

نہ شاہ ہے نہ وزیر، اب فرنگی ہیں مختار

نہ ہووے دیکھ کے کیونکر دل اپنا اب مغموم | ہو جب کہ جائے ہما، آہ آشیانۂ بوم
وہ پوچھے تو بس اس ملک میں ہیں سب معلوم | فرنگیوں کے جو حاکم تھے ہو گئے محکوم

تو ہم غریبوں کی پھر کیا ہے یاں قطار و شمار

رئیس شہر جو ہے اس کی اب ہے یہ اوقات | رہے ہے شوقِ الٰہی میں محو وہ دن رات
نہ عزم ہے نہ اسیری کی اس کو تشویشات | خبر نہ ملک کی اس کو، نہ کام کی کچھ بات

رہے ہے اور مزے کی شراب میں سرشار

جو جانشین تھا ہوا بعد آصف الدولہ | کہ خوش تھے جس سے سب ادنا سے اوتا اعلا
نمک حراموں کا ہو وے خدا کرے کہ برا | دیا تھا قید میں ظالم نے اس کو آہ پھنسا

نکل گیا یہ وہ مردانگی سے بس اک بار

وہ یعنی صفحۂ عالم پہ جس کا ہے گا نام | لکھا وزیر علی خاں بہادر اس کا نام

رہا تو چندے یہ کچھ کر گیا ہے ایسا کام | کہ یاد رہے گا وہ کام تا بروز قیام

نہیں تجلی کو حق کی ہے پیچ ہے کچھ تکرار

۱۲۱۲ھ

وزیر تخلص نواب وزیر علی خان متبنائے نواب آصف الدولہ، ۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۷ء میں تخت نشین ہوئے اور چند ماہ بعد معزول ہو کر بنارس میں نظر بند ہوئے، وہاں سے مسٹر چیری ایجنٹ کو قتل کر کے انگریزوں اور اودھ کی فوجوں سے مقابلہ شروع کیا، اور ایک مدت تک جنگلوں اور پہاڑوں میں لڑتے بھڑتے آگرہ پہنچے، اور شیخ سلیم چشتی کے مزار کی زیارت کر کے جے پور گئے، مہاراجہ جی نے پناہ دینے کی ذمہ داری لی مگر آخر میں انگریزی حکومت کے دباؤ سے مجبور ہو کر وزیر علی خان کو اس وعدہ پر حوالہ کر دیا کہ جان سے نہ مارا جائے، اور پاؤں میں بیڑیاں نہ ڈالی جائیں، اور ۱۸۰۰ء میں نواب کو مقفل پالکی میں کلکتہ بھیجا گیا، اور قلعہ کلکتہ کی ایک تنگ کوٹھری میں قید کر دیا گیا، ۱۷ سال ۳ ماہ ۴ دن قید میں رہنے کے بعد چھتیس سال کی عمر میں ۱۸۱۷ء / ۱۲۳۲ھ میں قید فرنگ اور قید حیات دونوں سے رہائی پائی، یہ غزل اسیری کی یادگار ہے جو مرثیہ بھی ہے اور سیاسی مرقع بھی ہے

جون سبزہ رندے اگتے ہی پیروں کے تلے ہم | اس گردشِ افلاک سے پھولے نہ پھلے ہم
رونے ہیں شب و روز اسی فکر سے یارب | غنچے کی طرح باغ میں گل ہو نہ کھلے ہم
ارمان بہت رکھتے تھے ہم دل کے چمن میں | بیٹھے نہ خوشی سے کبھی سایے کے تلے ہم
جس گل پہ نظر کرتے ہیں آتا ہے نظر خار | گلشن کے چلے جاتے ہیں کانٹوں میں رلے ہم
ہم وہ نہ قلم تھے کسی مالی کے لگائے | نرگس کے نہالوں میں تھے آصف کے پلے ہم
افسوس کہ اس دل کا کنول کھلنے نہ پایا | کوئی دن کو چلے جاتے ہیں ماٹی کے تلے ہم
اب پہلے ہی آغاز میں پامال ہوئے ہیں | فریاد کریں کس سے قسمت کے جلے ہم
دکھ اپنا عبث کہتے ہیں بیدرد کے آگے | بے بس جو جہاں اگرے ہرگز نہ ٹلے ہم
زندان مصیبت میں بھلا کس کو بلائیں | رہتے ہیں وزیری ہی سے دن رات ملے ہم

امام ابوحنیفہؒ کی فقہ

ترک حدیث کے الزام کا جواب

از مولوی ضیاء الدین صاحب اصلاحی

اس مضمون کی تیاری میں مصر کے مشہور عالم اور محقق استاذ ابوزہرہ کی کتاب "ابوحنیفہ، حیاتہ وعصرہ وآراؤہ وفقہہ" سے کافی مدد لی گئی ہے (ض)

فقہ حنفی حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرف جو فقہ یا مسلک و مذہب منسوب ہے، اسے "فقہ حنفی" یا "مذہب حنفی" کہتے ہیں، یہ مذہب مذاہب اربعۂ اسلامیہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) میں سب سے قدیم ہے۔

نشر و اشاعت اس مذہب فقہ کی نشو و نما امام صاحب کے وطن کوفہ ہی میں ہوئی، لیکن رفتہ رفتہ وہ دنیا کے تمام شہروں میں پھیل گیا، مذہب حنفی کا دائرہ بہت وسیع ہے اور تمام مذاہب میں سب سے زیادہ شہرت و قبولیت اسی مذہب کو حاصل ہے، نواحیٔ بغداد، مصر، روم، بلخ، بخارا، بلاد فارس اور ہندوستان میں کثرت سے اس فقہ کے ماننے والے پائے جاتے ہیں۔[1]

امام صاحب کے بارہ میں تین نقطہائے نظر امام ابوحنیفہؒ کے بارہ میں عام طور پر تین طرح کے خیالات لوگوں میں پائے جاتے ہیں (۱) ایک جماعت کا خیال ہے کہ انھوں نے بالکل جدید فقہ کی بنیاد ڈالی، جو سلف کے معتقدات فقہ کے یکسر خلاف ہے۔

[1] یہ تفصیلات "معارف" کے ایک غیر مترجمہ مضمون سے ماخوذ ہیں۔

(۲) دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ وہ مقلد محض ہیں اور علمائے کوفہ بالخصوص امام ابراہیم نخعیؒ کے دائرۂ فقہ سے آگے نہ بڑھ سکے۔

(۳) تیسرے طبقہ کی رائے ہے کہ امام ابوحنیفہؒ عراق کی فقہ کے متبع ہیں، وہ تخریج اور تفریع مسائل کے ساتھ ساتھ اپنی جگہ پر مجتہد بھی ہیں، ان کا طریقۂ فکر اصولی حیثیت سے ابراہیم نخعیؒ کے طریقۂ فکر و نظر کے موافق ہے، مگر آراء و افکار میں بکثرت اختلافات موجود ہیں۔[1]

پہلے گروہ کے خیال کو تو صرف اتہام کہا جا سکتا ہے، لیکن دوسرے گروہ کی رائے بھی کسی طرح عدالت و دیانت پر مبنی نہیں۔[2] کیونکہ امام اعظمؒ نے بہت سے مسئلوں میں اہل کوفہ سے اختلاف کر کے علمائے مکہ و مدینہ کے مسلک کو اختیار کیا ہے، تیسرے گروہ کا مسلک اصحابِ اعتدال کا مسلک ہے، جو ہمارے نزدیک بھی درست ہے۔

اہل عراق کو اہل رائے کہنے کا سبب عام طور پر مشہور ہے کہ اہل عراق کو حدیثیں بہت کم ملیں، اس لیے وہ قیاس زیادہ کرتے ہیں، اور قیاس میں مواظبت و مداومت کی وجہ سے انھیں اس میں بڑی مہارت ہو گئی ہے،[3] امام صاحبؒ کی مہارت قیاس میں کسی کو کیا شبہہ ہو سکتا ہے، لیکن بعض کوتاہ نظر لوگوں کی جانب سے ان پر "ترک حدیث" اور "حدیث پر قیاس کو ترجیح دینے" کا جو الزام لگایا جاتا ہے وہ سراسر بے بنیاد ہے اور ہم اس خیال کی تردید آگے چل کر کریں گے، یہاں صرف اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ اہل عراق کو اہل رائے اور اہل حجاز کو اہل حدیث کہنے کا سبب کیا ہے؟

علامہ خضری فرماتے ہیں کہ

"اہل حدیث شریعت میں علل و اسباب کا لحاظ نہیں کرتے اور اہل عراق شریعت میں علل و اسباب کی جستجو کرتے ہیں اور ان کے لیے قواعد و ضوابط کا تقرر کرتے ہیں، اور اس طرح احکام

[1] ابوحنیفہ لابی زہرہ [2] حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" میں یہی خیال ظاہر کیا ہے۔
[3] مقدمہ ابن خلدون

و مسائل کا استخراج و استنباط بھی کرتے ہیں، لیکن حدیث کا انکار نہیں کرتے، بلکہ اہل حدیث ہی کی طرح حدیث اور دیگر نصوص کو مانتے ہیں۔"[1]

اس اصول کے لحاظ سے امام ابوحنیفہؒ ہی نہیں، بلکہ ربیعۃ الرائےؒ، امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ، امام اوزاعیؒ اور ابویوسفؒ سب اہل الرائے کہلائیں گے، حالانکہ یہ سب محدث بھی ہیں۔[2]

اس سے ظاہر ہوا کہ اہل رائے کہنے سے تارک حدیث ہونا لازم نہیں آتا، ورنہ ان تمام اساطین حدیث کو بھی تارک حدیث قرار دینا پڑے گا، جو "امیرالمومنین فی الحدیث" کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں، اور خود امام اعظمؒ پر بھی "ترک حدیث" اور "حدیث پر قیاس کی ترجیح" کا الزام لگانا بڑی جسارت اور دیدہ دلیری ہوگی، کیونکہ انھوں نے عطاء بن ابی رباح، سلیمان بن یسار، ہشام بن عروہ، عمرو بن دینار وغیرہ علمائے مدینہ سے حدیثیں حاصل کی ہیں، اور ان سب سے بڑھ کر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مولی نافع سے جن کی وہ روایتیں جو ان کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہیں، موطائے امام مالک کی ساری روایتوں پر تفوق رکھتی ہیں، دوسری طرف امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں بھی محدثین کی ایک جماعت ہے، چنانچہ یحییٰ بن سعید، ابن مبارک اور امام بخاری کے استاذ علی بن المدینی وغیرہ، امام ابوحنیفہؒ کے خرمن علم کے خوشہ چین ہیں۔[3]

علامہ ذہبی جیسے محدث نے جو اپنے تذکروں میں صرف اکابر محدثین کا ذکر کرتے ہیں، امام اعظمؒ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے،[4]

یہ بھی کہنا صحیح نہیں ہے کہ تقلیل روایت اہل عراق کی خصوصیت ہے، اس لیے امام ابوحنیفہؒ اہل رائے ہیں، اور روایتوں کے لحاظ سے ان کا ماخذ کمزور ہے، کیونکہ خلفائے اربعہ سے بھی تو بہت کم روایتیں مروی ہیں، حالانکہ انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کا زیادہ موقعہ ملا تھا۔

اس سے بھی امام ابوحنیفہ کے حفظ حدیث پر حرف نہیں لایا جاسکتا کہ ان سے صحاح ستہ میں کوئی روایت

[1] التاریخ التشریع الاسلامی [2] سیرۃ النعمان [3] ایضاً [4] ایضاً

نہیں ہے، اس لیے کہ امام شافعیؒ کی بھی جنھیں "ناصر الحدیث والسنۃ" کہا جاتا ہے کوئی روایت صحاح میں نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ صحاح ستہ کے مصنفین اہل رائے کی روایتیں ہی نہیں کرتے تھے، چنانچہ امام ابویوسفؒ کے متعلق جنھیں اہل حدیث بھی مانتے ہیں، حافظ ابن جریرؒ کا بیان ہے کہ ان سے روایت نہ کرنے کا سبب غلبۂ رائے ہے،[1]

البتہ امام ابوحنیفہؒ کو فقہ میں جو درک حاصل ہے وہ حدیث میں نہیں، اس لیے ان کی حقیقی منزلت کا اندازہ کرنے کے لیے ان کی فقاہت سے بحث کیجاتی ہے، امام شافعیؒ کا مشہور مقولہ ہے "الناس عیال فی الفقہ علی ابی حنیفۃ"

اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جائے گی کہ امام ابوحنیفہؒ کے استنباطات و مسائل قیاس پر مبنی نہیں بلکہ نصوص اور احادیث پر مبنی ہوتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ کا طریقہ استنباط مسائل

ابوزہرہ مصنف "ابوحنیفہ، حیاتہ وعصرہ، آراؤہ وفقہہ" نے تین روایتیں امام صاحب کے بیان کے مطابق نقل کی ہیں، جن میں سے ایک روایت بہت مشہور ہے، جسے عام طور پر اکثر اصحاب تصنیف و تالیف نقل کرتے ہیں، اور ابوزہرہ نے اسے "تاریخ بغداد" سے نقل کیا ہے:

"میرا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے خدا کی کتاب کو دیکھتا ہوں اور اس سے مسئلہ اخذ کرتا ہوں، اگر اس میں کوئی حکم نہیں ملتا تو رسول اللہ کی سنت کو لیتا ہوں اور اگر اس میں بھی کوئی فیصلہ نہیں پاتا تو آپ کے اصحاب کے قول کو اختیار کرتا ہوں، اور بوقت اختلاف ان میں سے جس کے قول کو چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں، لیکن صحابی کے قول کے علاوہ کسی کے قول کو نہیں اختیار کرتا، مگر جب معاملہ صحابہ سے اتر کر ابراہیم، شعبی، حسن، ابن سیرین، عطا اور سعید تک پہنچتا ہے تو جس طرح ان لوگوں نے اجتہاد کیا تھا ویسے ہی میں بھی اجتہاد کرتا ہوں"۔

[1] سیرۃ النعمان

باقی دو روایتیں ابن عبد البر کی انتقاء سے ماخوذ ہیں، ان سب روایتوں کا قدر مشترک یہ ہے کہ
امام ابو حنیفہؒ کے فقہی دلائل سات چیزوں پر منحصر ہیں؛

(۱) کتاب (۲) سنت (۳) اقوال صحابہ (۴) اجماع (۵) قیاس (۶) استحسان (۷) عرف۔

ان سات چیزوں کو جو شخص اپنا ماخذ قرار دے، اس کے استنباط کی بنیاد کتنی پختہ اور محکم ہوگی، اس
سلسلہ میں سب سے پہلے "حدیث" کے متعلق امام صاحب کا نقطۂ نظر واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی،
کہ وہ بھی احادیث کے پابند ہیں اور قیاس کو حدیث پر ترجیح نہیں دیتے،

حدیث | جب ہم امام ابو حنیفہؒ کے بارہ میں یہ سنتے ہیں کہ ان کے مخالفین انتہائی غیر ذمہ داری کے
ساتھ یہ کہتے ہیں کہ وہ قیاس کو حدیثوں پر ترجیح دیتے ہیں تو سخت حیرت ہوتی ہے، اس کی تردید کیلئے
صرف وہ مکالمہ ہی کافی ہے جو امام ابو حنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ کے درمیان ہوا تھا،

امام اوزاعی۔ (امام صاحب سے) آپ لوگ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین
کیوں نہیں کرتے۔

امام ابو حنیفہؒ۔ اس لیے کہ اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث ثابت نہیں،

امام اوزاعی۔ کیوں نہیں۔ مجھ سے زہری نے اور زہری نے سالم سے اور سالم نے اپنے باپ عبد اللہ بن عمرؓ
سے اور ابن عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نماز شروع کرتے وقت، رکوع کے
وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے،

امام ابو حنیفہ۔ تو پھر مجھ سے بھی تو حماد نے اور انھوں نے ابراہیم سے اور ابراہیم علقمہ و اسود سے اور علقمہ و
اسود نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو صرف
نماز شروع کرتے وقت اٹھاتے تھے،

امام اوزاعی۔ سبحان اللہ! میں تو زہری عن سالم عن ابیہ کے سلسلہ سے روایت بیان کر رہا ہوں اور

آپ حماد اور ابراہیم کے سلسلہ سے۔

امام ابو حنیفہ۔ حماد زہری سے زیادہ فقیہ اور ابراہیم سالم سے بڑھ کر فقیہ ہیں، اور علقمہ بھی ابن عمرؓ سے
کم نہیں اگرچہ وہ صحابی ہیں، اور عبد اللہ بن مسعود کا تو کہنا ہی کیا؟

امام اوزاعی صاحب یہ سن کر خاموش ہو گئے[1]،

خود امام ابو حنیفہؒ کی زندگی میں ان کے خلاف اس قسم کی شہرت دیگئی لیکن امام صاحب کے
اس وقت کے بعض ایسے بیانات سے ایسے فاسد خیالات کی پوری تردید ہو جاتی ہے، ایک مرتبہ فرمایا:

"بخدا اس شخص نے ہم پر بہتان لگایا جو یہ کہتا ہے کہ ہم نص پر قیاس کو مقدم کرتے ہیں،
کیا نص کے بعد بھی قیاس کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے[2]"

اس سے زیادہ واضح الفاظ میں ارشاد ہوتا ہے:

"جب ہم مجبور ہو جاتے ہیں اور کتاب و سنت اور صحابہ کے فیصلوں میں کوئی دلیل
نہیں پاتے تو اس وقت مسکوت عنہ کو منطوق پر قیاس کرتے ہیں[3]"

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (آپ پر میرے ماں باپ قربان) کے آثار سر آنکھوں پر، ہمیں اس کی جرأت
نہیں ہو سکتی کہ ان کی مخالفت کریں، ہمارا مختار مسلک وہی ہے جو آپ کے اصحاب سے منقول ہو، ہاں
جو ان کے علاوہ دوسرے لوگوں سے منقول ہے تو وہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں[4]"

کیا ان اقوال کے بعد بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ حدیثوں کے (نعوذ باللہ) منکر ہیں، یا کم از کم
قیاس کو ان پر ترجیح دیتے ہیں۔ درحقیقت امام صاحب احادیث کو کبھی ترک نہیں کرتے، البتہ اصول
شریعت کے معارض یا ناقض قرآن حدیثیں پاتے ہیں تو ان کے قبول کرنے میں ضرور تامل فرماتے ہیں،

---

[1] تاریخ التشریع الاسلامی صفحہ ۱۴۷ ابو حنیفہ لابی زہرہ

لیکن اس کو قیاس کے مقابلہ میں ترک حدیث سے کیا تعلق۔

نفس حدیث کی باعتبار رواۃ تین قسمیں ہیں: (۱) متواتر (۲) مشہور (۳) احاد۔

امام ابوحنیفہؒ اول الذکر دونوں قسموں کو حجت مانتے ہیں، اگرچہ وہ کہتے ہیں کہ متواتر سے علم یقینی اور مشہور سے علم ظنی کا فائدہ حاصل ہوتا ہے لیکن حجیت میں دونوں ہی کو یکساں سمجھتے ہیں، اسی لیے مشہور سے بھی کتاب اللہ پر زیادتی کو مانتے ہیں، رہیں اخبار احاد تو اسے عام فقہاء کی طرح امام صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں، لیکن چونکہ اس زمانہ میں کثرت سے حدیثیں وضع کی گئی تھیں، اس لیے وہ اس قسم کی روایتوں کو کتاب وسنت اور اصول دین پر مستزاد ماننے کے لیے تیار نہیں، اور یہی صحابہ کا بھی عام طریقہ تھا، چنانچہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے جب کوئی حدیث پیش کی جاتی تو وہ اس پر شہادت طلب کرتے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے فاطمہ بنت منذر کی حدیث کو بھی اسی لیے رد کر دیا تھا کہ اس سے کتاب اللہ کا ترک لازم آتا تھا۔

حنفیہ کے مخالفین ایک بے بنیاد اصل قائم کرکے ان پر ترک حدیث کا الزام لگاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ خبر واحد پر رائے کو ترجیح دینا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ رائے کی گنجائش تو اس وقت نکلتی ہے جب کوئی نص موجود نہ ہو اور جب نص موجود ہو تو پھر اسے رد کرنے کے کیا معنی؟ اگرچہ وہ خبر واحد ہی کیوں نہ ہو، نیز خبر واحد اور قیاس جب دونوں ہی ظنی ہیں، تو پھر اس ظن کو ترجیح دینا چاہیے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو، اور یہی آنحضرت صلعم کے اصحاب کا طریقہ تھا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مزارعت کے باب میں رافع بن خدیجؓ کو پاکر اپنے مسلک سے رجوع کرلیا تھا،

اصل حقیقت | ہمارا خیال ہے کہ اہل حدیث اور امام احمد کے سوا تقریباً تمام فقہاء، صحابہ اور تابعین بھی خبر احاد کو بسا اوقات صرف اس لیے رد کر دیتے ہیں کہ ان کے پاس قرآن وسنت اور دوسرے نصوص سے ایک اصول اور ضابطہ متعین ہوتا ہے، حضرت عائشہؓ نے ان المیت لیعذب ببکاء اہلہ (حدیث)

کو "ولا تزر وازرة وزر اخری" والی آیت سے رد کر دیا تھا، حضرت امام مالکؒ نے "من مات وعلیہ صیام صام عنہ ولیہ" (حدیث) کو اور شوال کے چھ روزوں کے متعلق صحیح حدیث کو سد ذرائع کا اعتبار کرکے رد کر دیا، اسی طرح امام دار الہجرت اس حدیث کو بھی نہیں تسلیم کرتے جس میں کہا گیا ہے کہ "کتا اگر کسی برتن میں اندر منہ ڈال دے تو اسے سات مرتبہ دھونا چاہیے"۔ ابن عربی کا بیان ہے کہ یہ حدیث دو اصولوں سے معارض ہے،[1]

یہی حال امام ابوحنیفہؒ کا بھی ہے کہ وہ کبھی نفس قیاس کی وجہ سے حدیث کو نہیں رد کرتے، مثلاً امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے کہ نماز میں قہقہہ لگانے سے نماز اور وضو دونوں ٹوٹ جاتے ہیں، حالانکہ خارج صلوٰۃ میں قہقہہ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اسی لیے دوسرے فقہا خارج صلوٰۃ پر داخل صلوٰۃ کو بھی قیاس کرتے ہیں اور انکے نزدیک صلوٰۃ میں قہقہہ لگانے والے کا وضو نہیں ٹوٹیگا، البتہ نماز ٹوٹ جائیگی، مگر امام صاحب نے خبر واحد اور مرسل روایت کا لحاظ کرکے قیاس کا اعتبار نہیں کیا،

اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، حالانکہ از روئے قیاس، روزہ کو ٹوٹ جانا چاہیے لیکن امام صاحب نے خبر واحد کو قیاس پر مقدم کیا، اور فرمایا لولا الروایت لقلت بالقیاس، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قیاس کی وجہ سے خبر واحد کو رد کر دیتے ہیں، مگر یہ اسی وقت جب ان کے نزدیک کتاب وسنت کی روشنی میں کوئی اصل موجود ہوتی ہے، چنانچہ حدیث مصراۃ، حدیث زرع اور بیع عرایا وغیرہ کے سلسلہ میں انھوں نے یہی طرز عمل اختیار کیا ہے،

اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب خبر واحد پر قیاس کو صرف ضرورۃً مقدم کرتے ہیں، باقی نفس قیاس سے خبر واحد کے معارضہ کے وقت ان کا یہ قول گذر چکا ہے کہ لولا الحدیث لقلت بالقیاس۔

امام صاحب سے خبر واحد کی جہاں بغیر کسی دلیل یا نص کے مخالفت ثابت ہے، وہاں وہ توجیہات قطعاً صحیح نہیں ہیں، جو احناف بیان کرتے ہیں، ایسے مواقع پر ہم کو یہ کہکر خاموش ہو جانا چاہیے کہ ممکن ہے انھیں حدیث کی خبر نہ پہنچی ہو، اور اس میں انکی کوئی تنقیص نہیں ہے کہ "وفوق کل ذی علم علیم"،

---

[1] یہ تفصیلات ابوزہرہ کی کتاب سے ماخوذ ہیں۔

قول صحابی امام صاحب کے استنباط کا تیسرا طریقہ خود ان کے بیان کے مطابق "قول صحابی" ہے اور قیاس اور قول صحابی کے معارضہ کے وقت قول صحابی کو ترجیح دیتے ہیں لیکن مخالفین نے یہ کہکر تردید کی ہے کہ امام صاحب "قول صحابی" پر قیاس کو مقدم سمجھتے ہیں، جیسے امام ابو یوسفؒ اجیر مشترک کو ضامن قرار دیتے ہیں، اور یہی حضرت علیؓ سے بھی مروی ہے لیکن امام ابو حنیفہ نے قیاس کی وجہ سے اس اثر صحابی "کو رد کر دیا ہے، لیکن اس بارہ میں صاف اور سیدھا جواب یہ ہے کہ یا تو انھیں حضرت علیؓ کے فتوے کی خبر ہی نہ رہی ہوگی، یا ان کے پاس دوسرے دلائل یا کسی اور صحابی کا فتویٰ رہا ہوگا، ورنہ اگر ان کا مستقل طریقہ وہی ہوتا تو جو مخالفین بیان کرتے ہیں، تو پھر غلام کے امان کا عہد دے دینے کے مسئلہ میں حضرت عمرؓ کا فتویٰ معلوم ہو جانے کے بعد وہ اپنے سابق قول سے رجوع کیوں فرماتے۔

اجماع استخراج مسائل کا چوتھا طریقہ ان کے نزدیک اجماع ہے، جس پر کسی تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ وہ اجماع کو ایک اصل قرار دیتے ہیں، اور کبھی اس کی مخالفت نہیں کرتے۔

قیاس یہ امام ابو حنیفہؒ کا وہ طغرائے امتیاز ہے کہ جس میں ان کا کوئی شریک اور ہمسر نہیں، امام صاحب کی فقاہت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ ان کی طرف ساٹھ ہزار مسئلے منسوب ہیں۔

امام صاحب مسائل کی جس قدر تخریج اور تفریع کرتے ہیں وہ ایک معروف اور معلوم امر ہے، ابراہیم نخعی وغیرہ فرضی اور تقدیری مسئلوں میں خاموشی اختیار کر لیتے ہیں، امام ابو حنیفہؒ نے بیشمار فرضی اور امکانی مسئلے پیدا کیے، چنانچہ مشہور ہے کہ امام قتادہؒ جب بغداد تشریف لائے تو امام ابو حنیفہؒ نے ان سے ایک فرضی سوال کیا، انھوں نے کہا!

قتادہ۔ ویحک اوقعت هذه المسألة۔ یعنی کیا یہ مسئلہ پیش آیا ہے؟

امام ابو حنیفہؒ۔ نہیں!

قتادہؒ۔ تو کیوں پوچھتے ہو؟

امام ابو حنیفہ۔ ہم نزول مصائب سے پیشتر ہی بچنے کی فکر کرتے ہیں۔[1]

یہی وجہ ہے کہ امام صاحب کے حلقۂ درس میں "ارأیت لو کان کذا وکذا" کی صدائیں بہت بلند ہوتی تھیں،

استحسان پانچویں چیز استحسان ہے جس پر امام شافعیؒ نے امام اعظم کی سخت مخالفت کی ہے، اور مخالفین کا خیال ہے کہ اس اصل کے صرف امام ابو حنیفہؒ قائل ہیں، حالانکہ امام مالکؒ کے یہاں استصلاح مصالح مرسلہ اور سد ذرائع اور خود امام شافعیؒ کے یہاں استدلال بھی تقریباً یہی چیز ہے،[2]

استحسان میں امام صاحب کو ید طولی حاصل تھا، امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب تک امام صاحب قیاس کرتے ہم لوگ ان سے خوب مباحثہ کرتے۔ لیکن جب وہ کہتے کہ میں استحسان کرتا ہوں تو سارے لوگ خاموش ہو جاتے،[3]

استحسان شریعت کے ماوراء کوئی چیز نہیں، بلکہ یہ امام ابو حنیفہؒ کے فقیہانہ مرتبہ پر ایک بڑی دلیل ہے، کیونکہ استحسان کی تعریف یہ ہے کہ" موجب قیاس سے اس سے بڑے قیاس کی طرف جانا۔"

اور علامہ کرخی کی تعریف نہایت جامع ہے:۔

"مجتہد کسی مسئلہ میں کسی قوی دلیل کی وجہ سے اس طرح کا فیصلہ کرنے سے باز آ جائے جس طرح کا فیصلہ وہ اس کے نظائر میں کر چکا ہے۔"

اسے مثال سے یوں سمجھیے کہ شکاری پرندوں کا جھوٹا پانی پاک ہے، حالانکہ ان کا گوشت شکاری چوپایوں پر قیاس کر کے ناجائز ہے، اس لیے جب شکاری چوپائے کا جھوٹا پانی ناپاک ہے تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ شکاری پرندوں کا جھوٹا بھی ناپاک ہی ہو لیکن استحسان اس کی اجازت نہیں دیتا، کیونکہ درندے جانوروں کے جھوٹے میں لعاب لگا ہوتا ہو مگر شکاری پرندے چونکہ مناقیر (چونچوں) سے پانی پیتے ہیں، اس لیے پانی پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، غور فرمائیے، ایک ظاہر بین تو امام صاحب پر ردو قدح

---

[1] ابو حنیفہ لابی زہرہ بحوالہ تاریخ بغداد [2] التاریخ التشریع الاسلامی

کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لیکن جب وہ اس استحسان پر غور کرے گا، تو اس کی نگاہ سے حجاب اٹھ جائے گا اور امام صاحب کی غیر معمولی فقاہت کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

عرف | یہ اصل بھی ایک فقیہ کے ضرور پیش نظر رہنی چاہیے، اسی لیے امام صاحب اس کا بھی لحاظ کرتے ہیں، چنانچہ علامہ سرخسی "مبسوط" میں فرماتے ہیں:

الثابت بالمعرف کالثابت بالنص — عرف سے جو ثابت ہو وہ نص ہی سے ثابت ہونے والے کی طرح ہے۔

اس پر کسی بحث کی ضرورت نہیں۔

اطلاع

پاکستان کے خریداران معارف سے گذارش ہے کہ وہ معارف کی سالانہ قیمت مکتبۃ الشرق، آرام باغ کراچی کے پتہ سے بھیج دیں۔

منیجر

مکتوب امریکہ

یہ مکتوب کئی مہینے ہوئے آیا تھا، مگر کاغذات میں پڑا رہ گیا تھا، اس میں بہت سی مفید باتیں ہیں، اس لیے اب اسکو شائع کیا جاتا ہے،

نیویارک، مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۴ء

مکرمی جناب مدیر صاحب، سلام و رحمۃ۔

بہت دنوں سے خواہش تھی کہ آپ کو خط لکھوں، لیکن مکروہات زمانہ اور مصروفیات نے مہلت نہ دی جب میں کلکتے میں تھا تو آپکا معتبر معارف باقاعدہ اور بلاناغہ پڑھتا تھا اور اس سے مستفید ہوتا تھا۔ جون ۵۳ء میں کلکتہ چھوڑا، اس کے بعد سے آج تک اسکے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا، معلوم نہیں کس حال میں ہے، غلطی یہ ہوئی کہ یہاں آنے سے پہلے معارف کا چندہ اور اپنا پتہ نہ بھجوا دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ معارف آنا بند ہو گیا،

امریکہ میں بھی مسلمان ہیں، ان کی تعداد معلوم نہیں کتنی ہے، سب سے زیادہ مسلمان ڈٹروئٹ میں ہیں، یہ وہ عرب ہیں جو دوسری جنگ عظیم کے بعد مہاجرین کی حیثیت سے یہاں آکر بس گئے، ویسے مشرق وسطیٰ کے بہت سے سفارت خانے واشنگٹن میں ہیں، ان میں کام کرنے والے بہت سے مسلمان ہیں، شمالی امریکہ کی اکثر ریاستوں میں مسلمان رہتے ہیں، سنا ہے کہ کینیڈا میں کوئی مقام البرٹا ہے، جہاں بہت سے مسلمان آباد ہیں، شیکاگو میں بھی مسلمانوں کی تعداد اچھی خاصی ہے، ان میں وہ امریکی بھی ہیں جو مشرف باسلام ہو گئے ہیں، امریکہ میں شاید سب سے پہلی مسجد البرٹا میں کینیڈا کے مسلمانوں نے بنائی، شیکاگو میں بھی ایک چھوٹی سی مسجد ہے، ڈٹروئٹ میں بھی ایک مسجد بن رہی ہے، واشنگٹن میں جو خوبصورت مسجد بن رہی ہے اس کا حال آپ نے ضرور سنا ہوگا، ابھی یہ مکمل نہیں ہوئی ہے، اسکو

دیکھکر روح تازہ ہو جاتی ہے، سنا ہے کہ اس سال عیدین کی نماز اس میں ہوئی، اس مسجد میں امریکہ کے مرکز اسلامی کا دفتر بھی ہے جس کے نگران ڈاکٹر حبیب اللہ ہیں، نیویارک میں بہت سے ایسے مسلمان ہیں جو مستقل بس گئے ہیں یا تاجر کی حیثیت سے یہاں رہتے ہیں لیکن مسلمانوں سے زیادہ وہ عیسائی عرب ہیں جو لبنان اور شام کے دوسرے حصوں سے یہاں آکر بس گئے ہیں، مسلمانوں سے ان کے تعلقات بڑے اچھے ہیں اور کئی عربی اخبار اس دوستانہ تعلق کے نتیجہ میں نکلتے ہیں، آئندہ امریکہ کے مسلمانوں کے بارے میں ایک مختصر مضمون قلمبند کرنے کا ارادہ ہے،

یہاں مختلف یونیورسٹیوں میں اسلامی تاریخ پڑھائی جاتی ہے لیکن امریکہ مشرق وسطی کی موجودہ تاریخ سے زیادہ دلچسپی لیتا ہے، اس کی عظمت رفتہ سے اسکی دلچسپی برائے نام ہے، یہاں کی لائبریریوں میں عربی اور فارسی کے مخطوطات بھی ہیں، جو زیادہ تر مصر، جرمنی اور فرانس سے خریدے گئے ہیں، ان مخطوطات میں بھی وہ ایرانی آرٹ اور مصوری سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں، میں نے چند لائبریریوں میں کتب فقہ، تصوف اور حدیث کے نادر مخطوطات بھی دیکھے، اور ان میں بعض کے مائکروفلم میرے پاس ہیں، اس خط کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ آپکے ناظرین میں سے اگر کوئی صاحب ان پر کام کرنا چاہیں تو انھیں آپ میرا پتہ بتا دیں، میں انھیں مائکروفلم بھجوا دوں گا، میں ناظرین معارف کی توجہ ایک مختصر لیکن نادر قلمی نسخے کی طرف مبذول کراتا ہوں، اس کتاب کا نام ہے "القول التام فی فضل الرمی بالسہام"۔ یہ محمد بن عبدالرحمن الشافعی کا دس ورق کا مختصر رسالہ ہے، اسکی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سماعت کے نوٹ اور ان بزرگوں کے نام بھی ہیں، جنھوں نے مصنف سے یہ کتاب براہ راست سنی یا پڑھی تھی، اور مصنف نے ان کو روایت کرنے کی اجازت دی تھی، اس کا مائکروفلم بھی میرے پاس ہے، میں پہلے خود اس پر کام کرنا چاہتا تھا لیکن مصروفیت اتنی ہے کہ نہ پوچھیے، اگر معارف اسے شائع کر دے تو کیا کہنا، اس کا موضوع بھی بہت اہم ہے اور کتاب مختصر ہے، اس لیے معارف میں چھاپنے میں دقت نہ ہوگی، میں آجکل مسلسل سفر میں ہوں، میرے کاغذات اسوقت میرے پاس نہیں ہیں، میں کیمبرج مستشرقین کی بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت کی غرض سے کل روانہ ہو جاؤں گا، اگر کوئی صاحب اس پر کام کرنا چاہیں تو میں اسکی تفصیل بھی لکھ سکتا ہوں، بلکہ مائکروفلم بھیج دینے میں بھی مجھے تامل نہ ہوگا۔

لندن کے دوران قیام میں میں معارف پڑھنا چاہتا ہوں، میں کلکتے لکھ رہا ہوں کہ سالانہ چندہ فوراً بھجوا دیا جائے، لندن میں میرا قیام کافی عرصے تک رہیگا، اسلیے اگر آپ لکھنا چاہیں تو اس پتہ پر لکھ سکتے ہیں:

C/o, MR. M.P. JAIN, Education officer
India House, ALDWYCH - London.

امید کہ مزاج اچھا ہوگا، والسلام

احقر محمد صابر خاں عفی عنہ

سلیمان ہال

کی

تعمیر میں امداد کرکے اردو زبان کی خدمت کیجئے

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ کا وطن دیسنہ ضلع پٹنہ، ریاست بہار میں ہے، یہاں نصف صدی سے اردو کا ایک بیش قیمت کتبخانہ قائم ہے جس میں اردو کی تقریباً تمام مطبوعہ کتابیں اور بہت سے قلمی نوادر موجود ہیں، انکی مجموعی تعداد دس ہزار کے قریب ہوگی، ان خصوصیات کے لحاظ سے ہندوستان کا کوئی کتبخانہ شاید ہی اسکا مقابلہ کرسکتا ہے، اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے دور دور کے اصحاب ذوق آتے رہتے ہیں، ریاست بہار کے وزرا اور مشاہیر کے علاوہ ڈاکٹر راجندر پرشاد (صدر جمہوریہ) بھی تشریف لاکر اس کتبخانہ کو رونق بخش چکے ہیں، علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کو اس کتبخانہ سے غیر معمولی دلچسپی تھی، اسکی ترقی میں انکا بڑا ہاتھ ہے اس لیے انکے اہل وطن انکی یادگار میں اس کتبخانہ کے متعلق ایک ہال تعمیر کرانا چاہتے ہیں، اسکی تعمیر میں ۱۸ ہزار روپے صرف ہوں گے، مولانا مرحوم جیسی جلیل القدر شخصیت کے مقابلہ میں اٹھارہ ہزار کی رقم کوئی بڑی رقم نہیں ہے، اس کو صرف ریاست بہار کے لوگ آسانی سے فراہم کر سکتے ہیں، مگر مولانا مرحوم کی شخصیت آل انڈیا تھی، ان کے علم اور قلم کے سرچشمے سے اسکا ہر قطعہ سیراب ہوا، اور ان کے عقیدتمندوں کا دائرہ ہر جگہ اور ہر گوشہ میں پھیلا ہوا ہے۔ اسلیے ہم کو توقع ہے کہ ہندوستان کے تمام لوگ خصوصاً اسکا علمی طبقہ اس یادگار کے قیام میں پوری مدد دیگا۔

نوٹ:- منی آرڈر بنام پروفیسر سید محمد سعید رضا ارسال فرمائیے: پتہ یہ ہے- مقام دیسنہ، پوسٹ دیسنہ، ضلع پٹنہ (بہار شریف)

الملتمسین

عبدالستار صدیقی (سابق صدر شعبہ عربی و فارسی الہ آباد یونیورسٹی) عبدالماجد دریابادی (مدیر صدق و صدر مجلس ارکان دار المصنفین اعظم گڈھ) سید مسعود حسن رضوی (سابق صدر شعبہ اردو لکھنؤ یونیورسٹی) قاضی عبدالغفار (سکریٹری کل ہند انجمن ترقی اردو) شاہ معین الدین احمد ندوی (ناظم شعبہ علمی دار المصنفین اعظم گڈھ) عبدالسلام ندوی (مصنف شعر الہند رکن دار المصنفین اعظم گڈھ) مسعود علی ندوی (ناظم شعبہ مال دار المصنفین اعظم گڈھ) ابوالحسن علی ندوی (معتمد تعلیمات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) مناظر احسن گیلانی (سابق صدر شعبہ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن)

ادبیات

سلام

بحضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

از

جناب ابو المعانی محمد عمر نعمانی مرحوم شہرؔ

سلام اے سرورِ کونین اے سلطانِ روحانی
ترے دم سے ملی ذرات کو سورج کی تابانی

سلام اے دو جہاں کی بزمِ خلوت کے تماشائی
سلام اے نور یزدانی حبیبِ ذات سبحانی

یہ خارستانِ عالم کفر و ظلمت کا تھا کاشانہ
مگر اس میں منور تو نے کی شمعِ شبستانی

تو وہ سردارِ عالم ہے تو وہ سرتاجِ آدم ہے
جہاں کے بادشاہ کرتے ہیں تیرے در کی دربانی

عطا تیرے کرم نے کر دیا اپنے غلاموں کو
شکوہِ قیصری، جاہِ کئی، اقبال خاقانی

تری شان کرم سے آجتک دنیا میں زندہ ہیں
رموز علم قرآنی، و ایمانِ مسلمانی

ابو بکر، عمر، عثمان، علی سب زندہ ہیں تجھسے
نہ تو فانی، نہ تیرے عاشقوں کا نام ہے فانی

بوقتِ جان سپردن اسم پاکت بر لبم بادا!
زہے قسمت قبول افتد گر استدعا ے نعمانی!

مطبوعات جدیدہ

ہماری بت پرستیاں از نواب ہوش یار جنگ بہادر، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۴۴ صفحات،
کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت عمر، پتہ مصنف خیرت آباد، حیدرآباد، دکن

جناب ہوش بلگرامی اردو زبان کے خوش مذاق ادیب ہیں، وہ اگرچہ کم لکھتے ہیں، مگر جب قلم اٹھاتے ہیں تو خوب لکھتے ہیں، ان میں دینی اصلاح کا بھی جذبہ ہے، چنانچہ ۱۹۳۷ء میں انھوں نے محرم کے مروجہ رسوم و بدعات پر ایک مضمون لکھا تھا جس میں عزاداری کی تمام بدعتوں، مشرکانہ رسوم اور کھیل تماشوں کی مخالفت کی تھی، اور شہادت حسینی کے اصل مقاصد اور اسوۂ رسول و اسوۂ ائمہ پر عمل کرنے کی تلقین کی تھی، جناب سید اختر علی صاحب تلہری نے، اس مضمون کے بعض خیالات سے اتفاق اور بعض سے اختلاف کیا تھا، اور بعض رسوم کو شعائر دین کی حیثیت سے قائم رکھنے کی حمایت کی تھی، ان دونوں مضامین پر جناب سید اولاد حیدر صاحب بلگرامی نے محاکمہ لکھا تھا، انھوں نے بلا استثنا عزاداری کے تمام رسوم کو دینی شعائر کا درجہ دیدیا تھا، اور اس کی سند میں عیسائیوں اور بدھوں وغیرہ کے رسوم پیش کیے تھے، آخر میں ہوش صاحب نے ان دونوں کا مدلل جواب دیکر اس بحث کو ختم کر دیا تھا، اب انھوں نے ان مضامین کو کتابی صورت میں شائع کر دیا ہے، درحقیقت مسلمانوں کی دینی گمراہی اور ایک حد تک ان کی اخلاقی اور مادی زوال کا سبب بھی وہ بدعتیں ہیں، جو مذہب کے نام سے دین میں داخل ہوگئی ہیں، اور اس میں شیعہ سنی کسی کی بھی تخصیص نہیں، محرم کی بدعتوں میں دونوں برابر کے شریک ہیں، بلکہ محرم کے جلوسوں کی رونق زیادہ تر سنیوں ہی کے دم سے ہے، مگر سنیوں میں ہر زمانہ میں ایسے مصلحین پیدا ہوتے رہے، جو غیر اسلامی رسوم و بدعات کی سختی سے مخالفت اور

اس کی اصلاح کی عملی جدوجہد کرتے رہے، جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے، مگر جہاں تک راقم کے علم میں ہے
شیعوں میں اس قسم کی اصلاح کی کوئی کوشش نہیں کی گئی، زیادہ سے زیادہ کسی محتاط مجتہد نے کسی مشرکانہ رسم
کی قباحت ظاہر کر دی، سنیوں کی طرح اس کی اصلاح کے لیے کوئی انقلابی قدم نہیں اٹھایا گیا، ہندوستان
کے شیعوں میں غالباً اصلاح کی یہ پہلی آواز ہے، جو جناب ہوش بلگرامی نے بلند کی ہے، انھوں نے قرآن مجید،
احادیث نبوی اور ائمۂ و مجتہدین کے اقوال و آثار سے ثابت کیا ہے کہ عزاداری کے تمام مروجہ مراسم مراسم
شرک و بدعت اور لہو و لعب ہیں، جن کو دین سے کوئی علاقہ نہیں، اور یہ سب بعد کی پیداوار ہیں، اقرن
اول میں ان کا کوئی وجود نہیں تھا، اور اسلام اس قسم کے جاہلی مراسم کو مٹانے کے لیے آیا تھا، نہ کہ قائم کرنے
کے لیے، اور وہ عقلاً بھی اس قدر مضحکہ انگیز ہیں کہ دوسری قومیں ان پر طنز کرتی ہیں، اور اس زمانہ میں محرم
کی مجالس تک جن سے مفید کام لیا جا سکتا تھا، بزم مشاعرہ بن گئی ہیں، جن سے اثرپذیری اور سبق آموزی کے
بجائے، ذاکرین کی شاعرانہ نکتہ آفرینیوں کی داد دیجاتی ہے، ہوش صاحب کے دونوں مضامین خصوصاً تو
الجواب عقل و نقل اور روایت و درایت سے اس قدر مدلل اور اتنا متین سنجیدہ اور مؤثر و دلنشین ہے کہ اس کی
تردید ہو ہی نہیں سکتی، اور اپنے نقطۂ نظر کی صحت اور افادیت کے لحاظ سے نہ صرف شیعوں بلکہ سنیوں کے
بھی پڑھنے کے لائق ہے، اس مضمون سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فروع کو چھوڑ کر خالص توحید کے تصور میں
جو اسلام کی اساس ہے، صحیح العقیدہ شیعوں اور سنیوں میں کس قدر اتحاد ہے، اور اس کے ذریعہ وہ ایک
دوسرے کے کتنے قریب آجاتے ہیں، اس لیے اس قسم کی کوششیں نہ صرف مذہبی حیثیت بلکہ مسلمانوں کے
قومی مفاد کے نقطۂ نظر سے بھی نہایت محمود و مستحسن ہیں، جناب ہوش نے یہ مضامین شائع کر کے بڑی
اخلاقی جرأت کا ثبوت دیا ہے، جس کے لیے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں،

مثنوی سرود بیخودی۔ از جناب ڈاکٹر عشرت حسن صاحب انور، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۲۰ صفحات،
کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عگر پتہ مصنف نمبر ۴ حالی روڈ، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، سوملنگی،

کبھی کبھی فلسفہ کی انتہا تصوف پر بھی ہوتی ہے، اس لیے کسی فلسفی کا صوفی ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں
ہے، چنانچہ فاضل مصنف فلسفہ کے ڈاکٹر اور مسلم یونیورسٹی میں اس کے استاد بھی ہیں اور صاحب دل صوفی بھی،
اس لیے ان پر انا کے بجائے فنا اور خودی کے بجائے بیخودی کا غلبہ ہے، چنانچہ انھوں نے ڈاکٹر اقبال
کی خودی کے رجز کے مقابلہ میں بیخودی کا میٹھا اور سریلا نغمہ سنایا ہے، اور مثنوی سرود بیخودی میں دکھایا ہے
کہ خودی انفس سے لیکر آفاق تک کے لیے ہلاکت خیز ہے، اور آج دنیا میں جو بدامنی اور کشمکش بپا ہے وہ قوموں
کی خود پرستی ہی کا نتیجہ ہے، اور انسانیت کی فلاح اس کی اخلاقی تعمیر اور دنیا کا امن و سکون بیخودی اور
اور عالمگیر انسانی اخوت و محبت سے وابستہ ہے، جس کا سب سے بڑا معلم و مبلغ اسلام ہے، اور دنیا کے لیے
سب سے بڑا درس اخلاق اسوۂ نبوی ہے، اور انسانیت کی فلاح اسلام کی تعلیمات پر منحصر ہے، اس لیے ایک
نہ ایک دنیا اس کے ماننے پر مجبور ہوگی، اس میں شبہہ نہیں کہ اخلاق و روحانیت کے اعتبار سے بیخودی کا
درس بڑا دلکش ہے، لیکن درحقیقت حقیقی خودی اور بیخودی میں کوئی تضاد نہیں ہے، اور ان کی حیثیت بجلی
کی منفی اور مثبت لہروں کی ہے، جس کے بغیر انسانیت کا چراغ روشن نہیں ہو سکتا، اور یہ دونوں انسانیت
کی فلاح و تکمیل کے لیے ضروری ہیں، خودی قوموں کو قوت و توانائی بخشتی ہے، اور بیخودی اس کو قابو میں
رکھتی ہے، البتہ ان میں اعتدال و توازن ضروری ہے، ورنہ خودی کا غلبہ انسانوں کو جابر و قاہر بنا دیتا ہے،
اور بیخودی مظلوم و مقہور کر دیتی ہے، اور ان دونوں میں ہلاکت ہے، اور اس میں توازن احکام الٰہی کی
پابندی سے ہوتا ہے، اسی لیے اقبال نے بھی اس خودی کی تعلیم دی ہے جو احکام الٰہی کی پابند ہو، اور جس سے
اس کی مضرت ختم ہو جاتی ہے، اس لیے ان دونوں میں حقیقی تضاد نہیں ہے، وہ دونوں انسانیت کی تکمیل
کا ضروری عنصر ہیں، اور ان میں سے کسی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، لیکن ایسی قوموں کے لیے جو خودی
کے نشہ میں چور ہیں یقیناً بیخودی کا پیغام اخلاقی و روحانی حیثیت سے مفید ہے، مثنوی کے آخر میں چند غزلیں
بھی ہیں، ان میں بھی بادۂ عرفان کا کیف و سرور نمایاں ہے، اس زمانہ میں جبکہ فارسی زبان کا مذاق اٹھتا جاتا ہے،

یہ تحفۂ شیراز ہم ہندیوں کے لیے قند پارسی کی لذت رکھتا ہے۔

اپنی موج میں ۔ از جناب آوارہ، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۲۰ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت عہ، پتہ: آوارہ، فروغ اردو، امین آباد پارک، لکھنؤ۔

اردو زبان کے چٹخاروں کے لذت آشنا جناب آوارہ کے خوانِ ادب سے ناواقف نہیں ہیں، "اپنی موج میں" ان کے ان مضامین اور تقریروں کا مجموعہ ہے، جس میں انھوں نے ہماری قدیم تہذیب کی بعض دلچسپ یادگاروں کے جن کا ذکر اب صرف کتابوں میں رہ گیا ہے، مزاحیہ انداز میں ایسے دلکش مرقعے دکھائے ہیں کہ ان کے لطف زبان اور حسن بیان پر ذوق سلیم وجد کرنے لگتا ہے، اور اس کے لیے انھوں نے بگڑے رئیس، مصاحب، بٹیرباز، کبوترباز، مرغ باز، بانکے، مشاطہ، مغلانی، بھٹیاری، پنڈت جی، لالہ جی، جوتشی وغیرہ جیسے کردار منتخب کیے ہیں، جن سے بہتر ان رخوں کی مصوری نہیں ہو سکتی، اور ان ہی کی زبان، محاورات، روزمرہ اور ان ہی کے آداب و تہذیب میں، ان کا ایسا دلچسپ خاکہ کھینچا ہے، اور اپنے حسن بیان سے ان میں ایسا رنگ بھر دیا ہے کہ ان کی چلتی پھرتی تصویریں نظر آجاتی ہیں، مولانا عبد الماجد صاحب نے اس کتاب کے دیباچہ میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ "زبان کے محاورات پر یہ عبور، ادب کے نوک پلک پر یہ قدرت، ہر فن اور ہر پیشہ کے تلازموں، اصطلاحوں اور استعاروں پر بے تکلف حکومت و صاحبقرانی کی یہ دولت شاید ہی کسی خوش نصیب کے نصیب میں آئی ہو" اس زبان کو لکھنے والے کیا کچھ دنوں میں اس سے لطف اٹھانے والے بھی مشکل سے نظر آئیں گے، مصنف نے اپنے زور قلم سے ان یادگاروں کو جن کا ذکر صرف کتابوں میں رہ گیا ہے، زندہ کر دیا، اردو میں یہ کتاب بڑا قیمتی اضافہ ہے،

گلدستۂ طہارت ۔ از جناب مولوی غلام مصطفیٰ صاحب عثمانی گیاوی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۴۰ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت معمولی، قیمت مجلد عمر، پتہ: مولف لیک روڈ رانچی سے ملے گی۔

اس رسالہ میں طہارت کی اہمیت اور وضو، غسل، تیمم اور پانی کی طہارت کے احکام و مسائل بیان کیے گئے ہیں، رسالہ مختصر مگر جامع ہے۔

"م"

جلد ۷۵ ماہ رجب المرجب ۱۳۷۴ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۵۵ء عدد ۳

مضامین